

دل میں ہر لمحہ ہے صرف ایک خیال
تجھ سے کس درجے محبت ہے تجھے
مجھ پہ اب فاش ہوا رازِ حیات
زیست اب سے تیری چاہت ہے مجھے

sameenanazeer

FriendsKorner



ماحول میں از حد لطیف خنکی رچی ہوئی تھی۔
پرنور روشنی ہر سمت پھیلی ہوئی تھی بہت روح پرور پر
کیف سحر انگیز فضا تھی۔ اس نے گہری سانس لے کر تازہ
ہوا کو چند لمحوں اندر سونگھا تھا۔ اس سے بھیگا سبزہ خوب
صورت پھولوں کی پنکھڑیوں پر چمکتے شبنم کے قطرے
موتیوں کی مانند لگ رہے تھے۔ درختوں پر بیٹھیں چڑیاں
رب کی حمد و ثناء میں مصروف تھیں اور ان کی میٹھی خوب
صورت چپکاروں سے سانس گونج رہا تھا۔ اس نے سلیپر
سے پاؤں آزاد کیے اور گھاس پر ننگے پاؤں چلنے لگی۔ نرم
نرم خم آلود گھاس نے ایک سر دلطف سی لہر پورے وجود
میں دوڑادی بہت فرحت بخش احساسِ رگ و پے میں
سکون بن کر اتر اٹھا۔ دل و دماغ پر چھائی افسردگی کی گرد
جھڑنے لگی تھی۔
احد کے ناقابل فہم رویے و ناروا سلوک کی تلخی کا اثر
کچھ کچھ زائل ہونے لگا تھا۔ وہ پہلے ایسا نہ تھا۔ نہ معلوم
اب ایسا کیوں ہو گیا تھا۔ بیزار کن سوچیں پھر حملہ آور
ہونے لگیں تو اس نے ذہن کو بالکل ہی خالی چھوڑ دئے کا
فیصلہ کیا اور گہرے گہرے سانس کے ذریعے ماحول کی
تازگی اپنے اندر بھرنے لگی۔
”صبح بخیر مسکان بیٹا۔“ اسی دم سرمئی ٹریک سوٹ
میں واک سے واپس آئے ہوئے اظہر چچا کی نگاہ اس پر
پڑی تو وہ مسکراتے ہوئے وہیں چلے آئے۔
”السلام علیکم انکل صبح بخیر۔“ اس نے مسکراتے ہوئے
آگے بڑھ کر سلام کیا تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے
شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔
”احسن سے ملاقات ہوئی؟“
”احسن..... کب آیا وہ؟“ اس کے چہرے پر خوشگوار
حیرت پھیل گئی۔
”رات پہنچا ہے موسم کی خرابی کے باعث فلائٹ
بہت لیٹ تھی۔“
”اچھی طرح خبر لیتی ہوں اس کی فاریسٹ آفسر کیا
بن گیا خود کو پاکستان کا کنگ سمجھنے لگا ہے کسی سے ملنے کا



اقرا صغیر احمد

ناولٹ

سبز رُت
پھولوں
اسی

نام بھی نہیں ہے۔ ابھی جا کر پوچھتی ہوں۔“ مسرت و غصے کا امتزاج اس کے چہرے کو دلکش بنا رہا تھا۔ اظہر صاحب خوشدلی سے مسکرا کر گویا ہوئے۔

”ہاں ہاں ضرور خبر لو اس نالائق کی اتنا اچھا موقع ضائع کر کے اب آیا ہے۔“ وہ تو پہلے ہی اس کی اچانک آمد کا سن کر بے قرار ہو رہی تھی۔ انکل کی بات پر تیزی سے ان کے پورشن کی طرف بڑھی تھی۔ آنٹی انکل کے لیے جوس بنا رہی تھیں۔ احمد ایک سرساز سے فارغ ہوا تھا۔

اس کا بہت پسینہ کڑی مشقت کی داستان بنا رہا تھا۔ آنٹی نے مسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔ ساتھ ہی جوس بننے کی آفر بھی کی وہ صبح بیڈی کی عادی تھی سوانکار کرتی ہوئی آگے بڑھی۔

”آئی آپ کے مجرم آگے ہیں چاہیں تو میں بھی آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ مجھے دلی مسرت ہوئی ہے ایسے کار خیر میں حصہ لیتے ہوئے۔“ احمد شرارت سے مسکراتا ہوا شوخی سے بولا۔

”تو تھینکس میں خود ہی کافی ہوں۔ بڑا دم ہے میرے ہاتھوں میں۔“ وہ کہتی ہوئی اوپر تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ احمد کا زوردار قہقہہ گونج اٹھا۔

کمرے کی فضا گرم تھی۔ وہ مزے سے نرم گرم کبل میں بے خبر سو رہا تھا۔ وہ دبے پاؤں اٹیچڈ ہاتھ کی طرف بڑھی تھی۔ وہاں سے جگ بھر کر پانی لانے میں اسے چند سیکنڈ لگے پھر مکان نے پھرانی سے اس کا کبل ایک ہاتھ سے کھینچ کر دوسرے ہاتھ میں پکڑا جگ اس پر انڈیل دیا تھا۔ احسن جو بے خبر سو رہا تھا اس اچانک افتاد پر ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی ایسا ہی لگا تھا جیسے تیزاب۔

”اف یہ کیا بے ہودگی ہے؟“ وہ جی جان سے کانپ اٹھا تھا۔

”اوہو..... یادداشت کے ساتھ ساتھ تمہاری آنکھیں بھی خراب ہو گئی ہیں۔ وہ ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی۔

”میری یادداشت خراب ہے نہ آنکھیں البتہ تمہارا دماغ ضرور خراب ہو گیا ہے۔“ وہ چھلانگ مار کر بیڈ سے

اتر اٹھا اور تیزی سے باتھ روم میں داخل ہوا تھا۔ چند لمحوں بعد وہاں سے برآمد ہوا تو نہ صرف ڈریس بدلا ہوا تھا بلکہ منہ ہاتھ دھو کر بال بھی سنوارے گئے تھے۔

”جینھو۔ بہت ساری باتیں کرنی ہیں تم سے۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر قریب بٹھاتے ہوئے گویا ہوا۔

”نہیں کرنی مجھے تم سے کوئی بات تم بہت دھوکے باز فراڈی اور بے حس ہو۔“ اس نے اسے دو مکے جڑتے ہوئے منہ پھلا کر کہا۔

”واہ کیا کیا ہے میں نے؟“ احسن جو اس سے اسی ناراضگی کی توقع کر رہا تھا۔ جانتے بوجھے معصوم بن کر استفسار کرنے لگا۔

”جیسے اتنے معصوم ہی تو ہو بنو مت اچھا۔“

”بنا ہوا پہلے سے ہوں اب کیا بنوں گا جیسی۔“ جواباً اس نے اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر پھوڑ دیے۔

”میری شادی میں کیوں نہیں آئے تھے؟ کتنا انتظار کیا تھا میں نے؟ آخری بل تک میں تمہاری راہ تک رہی تھی بولو کیوں نہیں آئے تھے؟“

”بس یار کچھ ایسے مسئلے آن پڑے تھے جن سے گلو خلاصی ہزار ہا کوشش کے باوجود نہ ہوئی اور تم جو مجھے اتنا غصہ دکھا رہی ہو تو یہ بتاؤ میرے نہ آنے سے کیا فرق پڑا؟

تمہاری شادی تو ہو گئی نا بہت شوق چڑھا تھا تمہیں شادی کا مری جا رہی تھیں اس گھونچھو سے شادی کرنے کو کون سا میرا تم نے انتظار کر لیا دم نکل رہا تھا تمہارا اس گدھے کی مسز بننے کے لیے تمہیں میری پرواہ بھی کہاں تھی؟ اب باتیں بنا رہی ہو۔“

”بکواس مت کرو پکے بدتمیز ہو۔“ مکان نے اس کے ایک ہاتھ جڑا تھا۔

واہ اتنا جلال وہ بھی اس الو کے لیے تھوڑے ہی دنوں میں اس قدر محبت کرنے لگی ہو اس اونٹ سے۔“ اس کے انداز میں حیرانگی بھری ستائش تھی۔

”پھر وہی بکواس کی میں سر پھاڑ دوں گی تمہارا۔“ اچھا اس طرح آنکھیں مت پھاڑو پوری بھینس

لگ رہی ہو یہ بتاؤ عزت مآب عالی مقام جناب از حد محترم جناب احد وارثی صاحب بخیریت ہیں؟ اس وقت وہ یقیناً سپنوں کی وادیوں کی سیر کر رہے ہوں گے اور آنکھ کھلتے ہی تمہاری موہنی صورت کے دیدار کے تمنائی ہوں گے تمہیں نہ پائیں گے تو کیا گزرے گی ان کے دل نادان پر تمہیں ذرا بھی خیال نہیں عاشق با مراد کا کتنی بے فکر بیوی ہو جانتی نہیں ہو محبت کے تقاضے چاہت کی بے قراریاں۔“

”بکواس مت کرو۔“ اس کے شوخ انداز پر وہ لجا کر رہ گئی۔

”میں بکواس کیوں کرنے لگا؟ وہ دیوانہ ہے تمہارا اور تمہیں ایسے بھنوں شوہر کی دیوانگیوں کا خیال رکھنا چاہیے وہ اپنی جھوٹ کا آغاز تمہارے چہرے سے ہی کرنا چاہتا ہو گا۔ آج کی صبح تمہیں دیکھے بنا ہو گئی تو سوچو اس مظلوم کا سارا دن کیسے گزرے گا بیمار کرنے والوں کو ایسی چھوٹی چھوٹی معمولی معمولی باتوں کا بڑا دھیان رکھنا چاہیے۔ چلو جاؤ خیال رکھو اس کا اس طرح غفلت مت برتو۔“

”تمہیں دادی اماں بننے کی ضرورت نہیں ہے سمجھو۔ یہ بتاؤ تم آئے کیوں نہیں تھے۔ کتنا انتظار کیا تھا؟“ اسے معلوم تھا وہ اسی طرح اس سے زچ کر دینے والی باتیں کرے گا۔ یہ اس کا بہترین مشغلہ تھا اپنی فضول اول جلول باتوں سے سب کو تنگ کر دینا اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ وہ آنٹی تو اس کی خیر لینے تھی مگر درگت وہ بنا رہا تھا حسب معمول وہ تپ گئی تھی۔

”یار! میں نے تو پوری پوری تیاری کر لی تھی کہ اچانک میرے کو لیک سمج بٹ کو حادثہ پیش آ گیا۔ اس کی کارٹرالر سے ٹکرائی تھی۔ دماغ پر گہری چوٹ آئی تھی۔ جس کے باعث وہ ایک ہفتہ آئی سی یو میں رہا تھا۔ میرے علاوہ کسی اور سے اس کی دوستی نہ تھی۔ ایسی حالت میں میں کس طرح اسے چھوڑ کر آتا اس کی بے ہوشی کے دوران اس کے گھر والوں کو بھی میں اطلاع نہ دے سکا کہ اس کی رہائش گاہ کا ایڈریس مجھے معلوم نہ تھا۔ صرف یہ جانتا تھا

”اے..... اے زبان سنبھال کر لڑکی مابدولت تمہارا لحاظ کر رہے ہیں تو تم سر پر ہی چڑھی آرہی ہو۔ اگر میرے آنے کی اپنی آرزو تھی تو ملتوی کروالی ہوئی رکھتی کرتیں میرا انتظار لیکن نہ بھی آج کل صرف اور صرف زبانی ہمدردی جتانے کا شوق ہے۔ عملی ثبوت کوئی نہیں دیتا شکل دیکھ کر دوست یاد آ رہا ہے وفاداری کے تقاضے از بر کرائے جارہے ہیں۔ ویسے مجھ مسکین کا گھر تو تمہارے خیالوں خواہوں میں بھی نہ ہوا ہوگا جیسی اتنے عرصے میں تمہیں ایک میل تک بھیجنا نصیب نہ ہوا۔ نہ فون کرنے کے لیے تمہارے ہاتھ اٹھے اس سے قبل تو تم چیٹنگ کر کے دماغ خراب کر دیا کرتی تھیں۔“ اس نے ایک دم ہی پینتر ابدلا تھا اور لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ چلا کر منہ بنا بنا کر بول رہا تھا۔ اس کے انداز پر بے ساختہ ہنسی آرہی تھی۔

”تمہاری بکواس کرنے کی انرجی خاصی اسٹرونگ ہو گئی ہے۔“

”ہاں ہاں میری باتیں تو تمہیں اب بکواس ہی لگیں گی اس گدھے کی محبت کا اثر تو آتا ہی ہے۔“ وہ ایک بلا کا ڈھیٹ تھا۔

”تم احد کو کچھ نہیں کہو گے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔“ وہ غرائی تھی۔

”اوہ اللہ رے اتنی محبت کیا گھول کر پلا دیا اس انسان نما گدھے نے تمہیں تم اتنی بدل گئیں حیرت ہے مجھے اس چغند کے لیے تم مجھ سے جھگڑ رہی ہو مجھ سے۔ میں جو

کرا شمشیر سے وہ تعلق رکھتا ہے اس کے ہوش میں آنے کے بعد اس کے گھر اطلاع دی۔ جب تک تمہاری شادی کو وقوع پذیر ہوئے دو ہفتے سے زائد عرصہ گزر چکا تھا۔ میں نے سوچا جب وہ اہم تقریب گزر گئی تو جانا نہ جانا برابر ہے۔ سوائے فرائض کی بجا آوری کے بعد ہی اطمینان سے جاؤں مجھے یقین ہے تمہیں مجھ سے اب کوئی شکایت نہ ہوگی یا ابھی مزید کی وضاحت کی ضرورت ہے؟“

”مجھوری ہے یقین کرنا پڑے گا ورنہ تم جتنے بڑے چیٹر ہو میں جانتی ہوں۔“

”اے..... اے زبان سنبھال کر لڑکی مابدولت تمہارا لحاظ کر رہے ہیں تو تم سر پر ہی چڑھی آرہی ہو۔ اگر میرے آنے کی اپنی آرزو تھی تو ملتوی کروالی ہوئی رکھتی کرتیں میرا انتظار لیکن نہ بھی آج کل صرف اور صرف زبانی ہمدردی جتانے کا شوق ہے۔ عملی ثبوت کوئی نہیں دیتا شکل دیکھ کر دوست یاد آ رہا ہے وفاداری کے تقاضے از بر کرائے جارہے ہیں۔ ویسے مجھ مسکین کا گھر تو تمہارے خیالوں خواہوں میں بھی نہ ہوا ہوگا جیسی اتنے عرصے میں تمہیں ایک میل تک بھیجنا نصیب نہ ہوا۔ نہ فون کرنے کے لیے تمہارے ہاتھ اٹھے اس سے قبل تو تم چیٹنگ کر کے دماغ خراب کر دیا کرتی تھیں۔“ اس نے ایک دم ہی پینتر ابدلا تھا اور لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ چلا کر منہ بنا بنا کر بول رہا تھا۔ اس کے انداز پر بے ساختہ ہنسی آرہی تھی۔

”تمہاری بکواس کرنے کی انرجی خاصی اسٹرونگ ہو گئی ہے۔“

”ہاں ہاں میری باتیں تو تمہیں اب بکواس ہی لگیں گی اس گدھے کی محبت کا اثر تو آتا ہی ہے۔“ وہ ایک بلا کا ڈھیٹ تھا۔

”تم احد کو کچھ نہیں کہو گے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔“ وہ غرائی تھی۔

”اوہ اللہ رے اتنی محبت کیا گھول کر پلا دیا اس انسان نما گدھے نے تمہیں تم اتنی بدل گئیں حیرت ہے مجھے اس چغند کے لیے تم مجھ سے جھگڑ رہی ہو مجھ سے۔ میں جو

کرا شمشیر سے وہ تعلق رکھتا ہے اس کے ہوش میں آنے کے بعد اس کے گھر اطلاع دی۔ جب تک تمہاری شادی کو وقوع پذیر ہوئے دو ہفتے سے زائد عرصہ گزر چکا تھا۔ میں نے سوچا جب وہ اہم تقریب گزر گئی تو جانا نہ جانا برابر ہے۔ سوائے فرائض کی بجا آوری کے بعد ہی اطمینان سے جاؤں مجھے یقین ہے تمہیں مجھ سے اب کوئی شکایت نہ ہوگی یا ابھی مزید کی وضاحت کی ضرورت ہے؟“

”مجھوری ہے یقین کرنا پڑے گا ورنہ تم جتنے بڑے چیٹر ہو میں جانتی ہوں۔“

”اے..... اے زبان سنبھال کر لڑکی مابدولت تمہارا لحاظ کر رہے ہیں تو تم سر پر ہی چڑھی آرہی ہو۔ اگر میرے آنے کی اپنی آرزو تھی تو ملتوی کروالی ہوئی رکھتی کرتیں میرا انتظار لیکن نہ بھی آج کل صرف اور صرف زبانی ہمدردی جتانے کا شوق ہے۔ عملی ثبوت کوئی نہیں دیتا شکل دیکھ کر دوست یاد آ رہا ہے وفاداری کے تقاضے از بر کرائے جارہے ہیں۔ ویسے مجھ مسکین کا گھر تو تمہارے خیالوں خواہوں میں بھی نہ ہوا ہوگا جیسی اتنے عرصے میں تمہیں ایک میل تک بھیجنا نصیب نہ ہوا۔ نہ فون کرنے کے لیے تمہارے ہاتھ اٹھے اس سے قبل تو تم چیٹنگ کر کے دماغ خراب کر دیا کرتی تھیں۔“ اس نے ایک دم ہی پینتر ابدلا تھا اور لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ چلا کر منہ بنا بنا کر بول رہا تھا۔ اس کے انداز پر بے ساختہ ہنسی آرہی تھی۔

”تمہاری بکواس کرنے کی انرجی خاصی اسٹرونگ ہو گئی ہے۔“

”ہاں ہاں میری باتیں تو تمہیں اب بکواس ہی لگیں گی اس گدھے کی محبت کا اثر تو آتا ہی ہے۔“ وہ ایک بلا کا ڈھیٹ تھا۔

تمہارا کلوز فرینڈ ہوں اور اتنی دور سے صرف تمہیں مبارک باد دینے کی خاطر آیا ہوں۔

”اپنی مبارک باد رکھو اپنے پاس میں تو سمجھی تھی اتنے عرصے بعد آئے ہو تو سدھر گئے ہو گے اور میرے پرانی ہونے کے احساس نے تمہیں مجھ سے اچھی اور سنجیدگی سے باتیں کرنے کی سمجھ دی ہوگی لیکن تم کتنے کی دم ہو جو کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی آتے ہی تم نے دل جلانے والی باتیں شروع کر دیں اور مسلسل احد کی شان میں بھی گستاخی کر رہے ہو۔“

”اوہو! شان میں گستاخی وہ تمہارا شوہر ہے یاد ادا! احسن اس کی بات کاٹ کر قہقہہ لگا کر بولا وہ تھملا کر اٹھ گئی۔

”تم..... تم! کبھی نہیں سدھرو گے ایسے ہی گدھے بلکہ لنگور بنے رہو گے میں ہی باگل بھی جو تمہاری محبت میں سنے کے ساتھ ہی بھاگی چلی آئی۔“

”اس زرافے کے علاوہ بھی تم کسی اور سے محبت کر سکتی ہو۔“ اس کا انداز بدستور چڑانے والا تھا۔ ہونٹوں پر شریں مسکراہٹ آنکھوں میں شوخی۔

”تم خود انوکھے لوگ نہ بھاؤ۔“ وہ غصے سے بولتی ہوئی چلی گئی۔ احسن کے دل جلانے والے قہقہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

اپنے پورشن کی طرف آئی تو محی رحمت بوا کی مدد سے اشیہ لگو اچھی تھیں۔ پپا اور احد بیٹھے اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے۔

”رحمت کو تمہیں بلانے بھیج ہی رہی تھی آ جاؤ ناشہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“ محی اسے دیکھ کر شفقت سے بولیں وہ چپا کو سلام کرتی ہوئی محی کی برابر والی چیئر پر براجمان ہوئی تھی۔ احد کے برابر کی چیئر خالی تھی جس پر ابھی عمیرہ آکر بیٹھی تھی۔ احد کی شعلہ بارنگاہوں سے وہ حسب عادت خائف ہو گئی تھی۔ جو اخبار کی اوٹ سے اس کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ اس کے برابر نہیں بیٹھی تھی۔

”کہاں گئی تھیں تم؟“ بالآخر وہ اخبار رکھ کر سرد مہری

سے گویا ہوا۔

”بھابی صبح ہی صبح لان کے علاوہ کہاں جا سکتی ہیں۔ قدرتی نظاروں کا تو بھابی کو کیز ہے روز صبح و شام وہیں ہوتی ہیں۔“ عمیرہ نے اس کی پریشانی حل کر دی تھی۔ ورنہ وہ تو سچ بول دیتی اور رد عمل کے طور پر احد کے خونخوار موڈ کو بھگلتا پڑتا۔ اس نے رات کو بھی تو منع کیا تھا کہ وہ بھاگ بھاگ کر بار بار انگل کے نہ جایا کرے اور اس نے اس پابندی کی وجہ دریافت کی تو غصے سے بولا۔ وہ پہلے اس گھر کی بیٹی بھی اب بہو ہے اور بہوؤں کو بہت عزت و وقار سے رہنا چاہیے اور اس کا دل شدت سے چاہا تھا کہ کہہ دے وہ اس کی حد کا تعین کیوں کر سکتا ہے جب کہ محی (سپاس) نے ایسی کوئی قدغن نہ لگائی تھی۔ مگر اس کی خشکیوں نگاہوں اور بگڑے موڈ نے آواز سب کر لی تھی۔

”تمہیں کب اپنی ذمے داری کا احساس ہوگا؟ محی کچن میں ہوتی ہیں صبح و شام اور تم نظاروں میں گم ہوتی ہو۔“ اس نے اسی لہجے میں سب کے سامنے سرزنش کی۔

”بچی ہے ابھی یہ ذمے داری اٹھانے کی عمر ہوگی خود بخود سنبھال لے گی۔“ پپا نے خوشگوار لہجے میں کہتے ہوئے ناشتے کا آغاز کیا تھا۔

”تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے گھر کے کام کر کے طمانیت محسوس ہوتی ہے اور پھر میرے نزدیک عمیرہ اور مسکان میں کوئی فرق نہیں ہے۔“

محی بھی اس کے چہرے پر پھیلتی شرمندگی دیکھ کر جلدی سے گویا ہوئیں۔

”محی! میں نے تو سنا ہے بہو اور بیٹی ایک نگاہ سے نہیں دیکھی جاتیں۔ آئی مین بیٹی کی طرح بہو کو نہیں سمجھا جاتا۔“ عمیرہ شرارت سے کہہ اٹھی۔

”میرے خیال میں احمق ہیں وہ سائیں جو ایسا منافقانہ رویہ اپناتی ہیں۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں جس طرح مجھے احد عزیز ہے۔ اسی حوالے سے مسکان بھی مجھے پیاری ہے اور بہت پیاری ہے۔“ انہوں نے اس کے بالوں پر کہا۔

☆☆

کبھی جو احساس ہو تم کو کہ تم اچھا نہیں کرتے جو مجھ کو یوں رلاتے ہو

لہو میرا جلاتے ہو اگر اس آگ میں جل کر میں اک دل را کہ ہو جاؤں مجھے دل سے بھلا دینا

سمندر میں بہا دینا مگر یہ یاد رکھنا تم خدا سے یہ دعا کرنا کہ جو اچھا لگے تم کو وہ تم جیسا نہ ہو ہرگز وگرنہ تم بھی روؤ گے مجھے جسے رلاتے ہو

چند لمحے قبل کمرہ جتنا پرسکون و خوب صورت لگ رہا تھا۔ اب احد کے ہاتھوں اپنی درگت بنائے جانے پر کھرا پڑا تھا۔ ساتھ ہی وہ بھی کارپٹ پر ٹوٹ کر بکھرے کرٹل کے گلدان کی طرح اپنی ذات کی گرچیاں بکھری دیکھ رہی تھی۔ آنسو بن بلائے مہمانوں کی غرج اندے چلے آ رہے تھے۔ جن کو بڑی بے دردی سے ہاتھوں سے مسل رہی تھی۔

شام کو آفس سے وہ خوشگوار موڈ میں آیا تھا۔ مسکان سے بڑی چاہ سے پکڑوں اور چائے کی فرمائش کی تھی۔ وہ اس کے پل پل بدلتے موڈ سے خوفزدہ رہتی تھی۔ اس کے موڈ کی خوشگواریت نے اس پر بھی گہرا اثر ڈالا تھا۔ بہت خوش خوش انداز میں وہ پکڑوں کے علاوہ سینڈویچز اور چپس بھی چائے کے ہمراہ تیار کر کے ٹرائی میں رکھ رہی تھی کہ احسن کے زوردار انداز میں سلام کرنے کی آواز آئی۔ کچپ کی بوتل رکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ صبح اس کی باتوں پر کس طرح غصے سے اٹھ کر چلی آئی تھی۔ حالانکہ جانتی تھی وہ سب مذاق تھا

اسے زچ کر کے وہ اسی طرح لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی وہ اس کی بکواس پر آپے سے باہر ہو گئی تھی۔ لیکن اب خود سے کیا گیا یہ عہد ٹوٹ گیا تھا کہ وہ کبھی اس کی باتوں کی پرواہ نہیں کرے گی۔ احسن کبھی بھی سدھرنے والا نہ تھا۔

”آہ..... آہ بڑی دلنواز خوشبو آ رہی ہے پکڑوں کی کیا پکڑے بن رہے ہیں آنٹی۔“ اس کی بھانڈ جیسی آواز بخوبی کچن تک آ رہی تھی۔

”ہاں بیٹھو بیٹا! ابھی مسکان لے کر آ رہی ہے۔“ وہ محبت سے گویا ہوئیں۔ اس کے کچن سے نکلنے سے قبل ہی احد لیونگ روم میں آ گیا تھا اور احسن کو وہاں بیٹھے دیکھ کر لمحے بھر کو اس کی آنکھوں میں استعجاب چمک ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ فراخ پیشانی پر ناگواریت کا اظہار کرنی شکنیں پھیل گئی تھیں۔ بے حد خوشگوار موڈ سرد سنجیدگی میں ڈھل گیا تھا۔ یہ سارا عمل لمحوں میں ہوا تھا۔ اندر ٹرائی لانی مسکان نے سب محسوس کیا اور اس کے اندر بے نام سی کھلبلی مچ گئی۔

”آؤ..... آؤ نوٹے میاں! دولہا راجہ بہت بہت مبارک ہو حسین بندھن میں بندھ جانا۔“ اس کے اندر داخل ہوتے ہی آنٹی کے پاس بیٹھا احسن ایک جست میں اس کے قریب پہنچ کر بڑی گرجوٹی سے گلے مل رہا تھا۔ آنٹی کے پاس ٹرائی کھڑی کرتی ہوئی وہ دیکھ رہی تھی احسن کی گرجوٹی و محبت کے جواب میں احد کا انداز بہت روکھا اور سپاٹ تھا۔

”کیا چھانٹ کر لڑکی پسند کی ہے تم نے ہمارے خاندان کا اے ون پیس۔“ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے مسکان کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔

”تمہیں افسوس ہوا ہے؟“ عام سالجہ شگفتہ انداز لیکن پیشانی کی شکنیں لگا ہوں سے ہویدا شکوک و شبہات کی سرخی مسکان سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ سن ہو کر رہ گئی۔ جسم کا ہر عضو آنکھ بن گیا۔ احد کا جائزہ لینے کے لیے۔

”ارے بھائی! مجھے کیوں افسوس ہوگا بلکہ میں نے

خوب خوشیاں منائی تھیں کہ خاندان کی سب سے بد صورت بد سلیقہ بد مزاج لڑکی ٹھکانے لگ گئی۔ وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا شرارت بھرے لہجے میں کہنے لگا تو اسے کرارا سا جواب دینے کو چلتی طبیعت کو نظر انداز کر کے خاموشی سے لوازمات سرو کرنے لگی۔

”یہ تم زیادتی کر رہے ہو احسن بیٹا! مسکان جتنی پیاری ہے ذائقہ اس کے ہاتھوں کا اتنا ہی اچھا ہے ہنرمند و سلیقہ مند عمیرہ سے زیادہ ہے۔“ آنٹی اس کے ہاتھ سے لوازمات کی پلیٹ لیتے ہوئے تو صحنی لہجے میں بولی تھیں۔

”کیا جادو کر ڈالاسا صاحبہ پڑی تعریفیں ہو رہی ہیں۔“ وہ پلیٹ دینے کے لیے جھکی تو احسن جھک کر اس سے سرگوشی میں مخاطب ہوا۔ اس نے جواب تو نہ دیا البتہ ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس لمحے احد کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پیشانی پر پڑی شکنوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ کنکھیوں سے ان دونوں کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

”تمہیں یاد تھا مجھے پکوڑے کتنے پسند ہیں واہ واہ اتفاقاً پکوڑے بڑے زبردست بن گئے ہیں۔“ وہ ڈھیر کچپ لگا کر کھاتا ہوا بول اٹھا۔ اسی دم اس نے مٹی اور احد کو سرو کرنے کے بعد پلیٹ اس کی طرف بڑھائی تو احد نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ دور کیا تھا۔

”صرف چائے دو۔“ لہجہ تھا یا لہراتا ہوا کوڑا برس تھا وہ ہر اس راہ رہ گئی۔

”مگر آپ نے تو بہت شوق سے پکوڑے بنوائے تھے۔“

”موڈ نہیں ہے اب چائے دو۔“ اک لمحہ اس کی نگاہ اٹھی تھی کیسی وحشت کیسی کاٹھی وہ پوری جان سے کانپ اٹھی۔

”دوے دو بہو! اس کی یہی عادت ہے۔ گھڑی میں اولیاء گھڑی میں بھوت والی بہت جلدی اس کی پسند ناپسند میں بدل جاتی ہے۔“ آنٹی چپس کھاتے ہوئے خوشگوار انداز میں گویا ہوئیں۔ وہ دونوں ہی اس کی حالت

سے بے خبر تھے۔ مسکان نے پلیٹ ٹرالی پر رکھی اور ٹی پاٹ سے چائے نکال کر کپ ساسر سمیت اسے تھمائی جو ایک جھٹکے سے تھما گیا تھا۔

”کھالو یار! کیوں کفران نعمت کر رہے ہو۔ میں تو حیران ہو رہا ہوں۔ شادی کے بعد اس کے ہاتھ میں اس قدر لذت کیسے آگئی۔“ احسن نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی پلیٹ آدھے سے زیادہ صاف ہو گئی تھی۔

”تم کھاؤ تمہیں کھاتے ہوئے دیکھ کر انہیں زیادہ مسرت ہوگی۔“

”میں کھا رہا ہوں اور ای لیے کھا رہا ہوں کہ اسے خوشی ہوگی دراصل ہم بیٹ فرینڈ زر ہے ہیں۔“ احسن مسکرا کر گویا ہوا۔

”ہونہ۔۔۔ بیٹ فرینڈ زیا۔۔۔ بیٹ لورز۔“ اندر زہریلی سوچ ابھری۔

”مسکان تم کچھ کیوں نہیں کھا رہی ہو؟ تونا۔“

”میاں کا ساتھ دینے کی ضرورت نہیں ہے تم نے سنا نہیں آنٹی نے بتایا تو ہے احد گھڑی میں اولیاء گھڑی میں بھوت بن جاتے ہیں تو میرے خیال میں یہ ان کے بھوت بننے کا نام ہے اور میری نانج کے مطابق بھوت وہ نہیں کھاتے جو ہم کھاتے ہیں۔ چائے بھی احد نے ازراہ مروت پی ہے۔“

اس کی ایک اس عادت سے بھی وہ تنگ تھی کہ وہ ہر کسی سے مذاق شروع کر دیتا تھا خواہ سامنے والے کا موڈ جو بھی ہو اسے پرواہ نہ تھی۔ اسے مجبوراً ایک سینڈوچ اور چائے لینی پڑی تھی۔ دل عجیب وحشت ناک ادا سیوں کے جنگل میں گم ہو گیا تھا۔

”تم آئے کب ہو؟“ احد چائے سپ کرتا ہوا پوچھنے لگا۔

”آج صبح“ کیا مسکان نے بتایا نہیں صبح ہی صبح یہ کیا درگت بنا کر آئی ہے میری۔“ معاف چائے پیتے ہوئے اس کے زبردست پھندا لگا تھا۔ سانس گلے کے کسی گوشے

میں اٹک گئی تھی۔ کپ ہاتھ سے چھوٹ کر کارپٹ پر گر گیا۔ مچی نے گھبرا کر اس کی کمر سہلائی تھی۔ وہ دونوں بھی خاموش ہو کر اس کی جانب دیکھنے لگے تھے۔ کافی دیر بعد اس کی طبیعت بہتر ہوئی تھی۔ وہ کمرے میں جانے کے لیے کھڑی ہو گئی وہ جس بات کی نہ ہونے کی دعا مانگ رہی تھی وہی بات ہو گئی تھی۔ اس نے دانستہ احد کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

”آرام کرو عمیرہ کو چنگ سے آ رہی ہوگی وہ یہ سمیٹ لے گی۔“

”آر یو او کے؟ سہارا دے کر کمرے تک لے کر چلوں۔“ احسن اس کی اڑی اڑی رنگت و بدحواسی دیکھ کر فکر مندی سے گویا ہوا۔

”نہیں میں ٹھیک ہوں دراصل گرم چائے پینے کی عادی نہیں ہوں بے دھانی میں گھونٹ بھرنے سے ایسا ہوا ہے۔ کچھ دیر آرام کروں گی ٹھیک ہو جاؤں گی۔“ وہ تیزی سے وضاحت کرتی ہوئی کمرے میں آگئی تھی۔

ایک انجانا خوف نے مٹی بے چینی اس کی رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ آج سے قبل اس نے محسوس کیا تھا احد احسن کے ذکر پر خاموش ہو جاتا ہے اور ایسا کیوں ہوتا ہے اس نے سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی تھی مگر آج اکھڑا اکھڑا رویہ بے زار انداز اور نگاہوں کے بدلتے رنگوں نے احد کی طرف سے اسے فکر مند کر ڈالا تھا۔ اسی طرح سوچوں میں الجھتے الجھتے وہ نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی۔ کوئی چیز زبردست انداز میں گری تھی زوردار آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

”موبائل کہاں ہے میرا؟“ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر وہ دباڑا تھا۔

وہ برق رفتاری سے بیڈ سے اترتی تھی اور مطلوبہ جگہوں پر اس کی موجودگی درکنار آثار تک نہ تھے۔ وہ کتابوں کے شیلف کی طرف بڑھی ایک ایک کتاب ہٹا کر دیکھ لی موبائل کہیں نہ تھا۔ احد کی گھوڑی نگاہوں نے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر ڈالے تھے۔

”آخر کہاں چلا گیا؟ تم سے کوئی چیز میری سنبھال کر نہیں رکھی جاسکتی؟ ہونہ تمہاری نظروں میں میری اوقات ہی کیا ہے جو تم میرا میری چیزوں کا دھیان رکھو۔“ اس نے شدید غصے میں بولتے ہوئے تمام درازیں ایک ایک کر کے کھینچ لیں، میز، کھس، میگزینز، چوڑیاں، رومال اور بھی بہت کچھ چھوٹا موٹا سامان سگریزوں کی طرح بکھر گیا تھا۔ بیڈ شیٹ نیلے کے غلاف، قبل وہ فوج کرزمین پر پھینک چکا تھا۔ ڈریننگ ٹیبل پر فیومز کی بوتلیں، جیل، ہینر، برش، پاؤڈر، مسکان کا میک اپ کا سامان ہاتھ مار کر پھینک چکا تھا۔ اس کا جنون اس کی اشتعال انگیزی اس کی حرکات و سکنات سے عیاں تھی۔ سفید رنگ غصے کی شدت سے سرخ اتار ہو رہا تھا۔ آنکھیں انگاروں کی مانند تھوڑی سی کہ جیسے اسے اسی طرح سالم نگل جائے گا۔ کمرہ پورا ہی نہیں نہیں کر کے رکھ دیا تھا۔ ہر شے کی تلاشی لینے کے بعد وہ ایک سائیڈ میں کھڑی کانپتے وجود سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ موبائل کہیں نہیں ملا تھا۔ وہ ڈر رہی تھی نہ معلوم اب کیا سزا دے گا؟ اس کے تیور خطرناک تھے محسوس ہو رہا تھا سامان کے بعد اس کے ٹوٹنے کی باری آنے والی ہے۔

اس نے گھوم کر ایک لائٹ ٹیبل کو ماری تھی۔ ٹیبل کے شیشے کے ساتھ اس پر رکھا ہوا کرشل کا گلدان زوردار چھناکے سے ٹوٹا اور اس کا دل جیسے لمحے بھر کو دھڑکنے لگا تھا۔ خوف و دہشت سے وہ لرز گئی۔

”یہیں رکھ کر گیا تھا میں مجھے بتاؤ کہاں گیا وہ؟“ کمرے کو خوب کباڑ خانہ بنانے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوا تھا خوشنوار لہجے میں۔ وہ پہلے ہی خوف و دہشت سے ادھ مری ہوئی جا رہی تھی۔ اب اسے مکمل طور پر اپنی جانب متوجہ دیکھ کر گھبراہٹ و بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئی۔

”مم۔۔۔ مم۔۔۔ مجھے معلوم نہیں کہاں گیا موبائل؟ میں نے اسے دیکھا بھی نہیں ہے اور میں آپ کی ہر چیز بڑی حفاظت سے رکھتی ہوں۔ آج تو سارا دن میں

کمرے میں نہیں آئی۔ انکل کی طرف گئی ہوئی تھی۔“ اس نے قدرے بوکھلا کر وضاحت کی تھی۔

”تمہیں معلوم نہیں تو پھر کسی کو معلوم ہوگا؟ عجیب بات کرتی ہو اور میں نے تمہیں منع کیا ہے نا انکل کی طرف دوڑ دوڑ کے جانے کو پھر تم کیوں گئیں؟ اور صبح ہی صبح احسن کے بیدار میں تمہیں کراہی واپس حرکت کرتے ہوئے ذرا شرم نہیں آئی؟ تمہیں اس کی طرف جانے کی ضرورت کیا تھی؟“ وہ اسے گھورتے ہوئے پے در پے سوالات کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔

نامعلوم خوف و گھبراہٹ کی کون سی قسم تھی کہ اس کے ہونٹ اس طرح آپس میں جڑ گئے گویا گوند لگا کر بند کر دیئے گئے ہوں۔ اس کی خاموشی پر نامعلوم اس کا کیا ریسائس ہوتا کہ اسی وقت دروازہ ناک کرتی عمیرہ اندر آگئی۔ کمرے کا حشر دیکھ کر اس کی بے ساختہ چیخ نکل گئی تھی۔

”آہ! یہ کمرے کا حال کس نے کیا ہے؟“ اس کی حیران و پریشان نظریں ہر شے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

”گڑیا! یہ موبائل کہاں سے ملا؟“ وہ اس کے ہاتھ میں دبے موبائل کی طرف فوراً متوجہ ہوا تھا۔ بہن سے بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ شیریں و نرم تھا۔

”میں یہی تو دینے آئی تھی آپ کو شام میں آپ لیونگ روم میں بھول آئے تھے۔ یہاں ہوا کیا ہے؟“

نوتے پھونٹے بکھرے سامان کی طرف سے اس کی نگاہ اٹھ کر سامنے خاموش کھڑی مسکان پر جم گئی تھیں۔ اڑی اڑی رنگت چھلکنے کو، تاب بھری بھری آنکھیں شدت ضبط سے ہونٹ کاٹتی ہوئی مسکان کو دیکھ کر اسے صورت حال سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی اور وہ مزید کچھ کہے برق رفتاری سے کمرے سے نکلی تھیں اور لمحوں میں مئی کا ہاتھ پکڑے کمرے میں دوبارہ داخل ہوئی تھیں۔

”ہائے اللہ! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے کمرے کی؟“ کمرے میں قدم رکھتے ہی وہ حیرانی و پریشانی سے گویا ہوئی تھیں۔

”میں یہی دکھانے کے لیے آپ کو یہاں لائی ہوں بھائی سے پوچھیے۔ یقیناً یہ ان کے ہی مزاج کا کمال ہے۔“ عمیرہ شکایتی انداز میں احد کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

”مئی کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی۔“

”مئی میرا موبائل نہیں مل رہا تھا وہ ڈھونڈنے کے چکر میں ہی یہ سب ہو گیا ہے۔“ اس کے اطمینان بھرے انداز میں کوئی افسوس یا ندامت کا شائبہ تک نہ تھا۔ یہ انداز مسکان کے ساتھ ساتھ ان دونوں کو بھی سخت ناگوار گزرا تھا۔

”ایک موبائل کی خاطر تم نے یہ ادھم مچا کر رکھا ہے۔ کیا دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟ اس عمر سے ہی سٹھیانے لگے ہو؟ کن لوگوں کی صحبت میں رہ رہے ہو جو یہ اٹھائی گیلوں جیسے انداز پیدا ہو گئے ہیں۔ سامان کا جو خرابا کیا سو کیا ناحق اس پٹی کا بھی خون خشک کر ڈالا تم نے۔ پہلے ایک نظر لیونگ روم میں بھی ڈال آتے۔“

کمرے کی حالت سے زیادہ انہیں فکر و رنج و غم ہی متوجش سی کھڑی مسکان کو دیکھ کر ہوا تھا جو ان کے قریب آگئی تھی۔

”کچھ دیر کے لیے میں تمہارے چچا کی طرف چلی گئی تھی ورنہ عمیرہ اسی وقت لیونگ روم کی صفائی کرتی تو موبائل تمہیں دے جاتی۔ اب اپنے غصے پر قابو پانا سیکھو اس طرح زندگی گزرنے والی نہیں ہے۔“ مئی اس وقت پورے جلال میں آپچی تھیں وہ خاموشی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔ وہ جو اس کے خوف سے آنسو ضبط کیے کھڑی تھی اس کے باہر نکلتے ہی آنسوؤں پر لگا ضبط کا پہرہ نوٹ گیا اور وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر شدتوں سے رو پڑی تھی۔

”ارے..... رے روؤ مت نامعلوم کیا ہو گیا ہے اسے اتنا غصہ اتنی انتہا پسندی اس کے مزاج کا حصہ نہ تھی اس کے اندر نامعلوم کیسے بھر گئی؟ ورنہ میرا بچہ تو قدم بھی بے آواز اٹھاتا تھا۔“ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے ان کے لہجے میں بھی از حد پریشانی و فکر مندی تھی۔

عمیرہ اسے روتے دیکھ کر خود بھی رو پڑی تھی۔ انہوں نے دونوں کو سینے سے لگا کر خاموش کر دیا تھا پھر انہوں نے مل کر کمرہ صاف کیا تھا۔

توڑ دیتے ہیں آس کے رشتے
غم کے عنوان نکھار دیتے ہیں
لوگ بھی کس قدر ستم گر ہیں
پھول مانگو تو خار دیتے ہیں

حساس وہ بہت تھی اور اب احد کا غیر متوقع انداز اسے اذیت میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔ اس کا جنونی غصہ کبھی بھی اس کی پرسنائی کا حصہ نہ رہا تھا۔ وہ کم گو، سنجیدہ رہنے کا عادی تھا۔ نہ جانے وہ ایسا کیوں ہو گیا تھا بے انتہا بے حس و بے مروت بے رحم غصہ تو جیسے اس کے مزاج کا تعارف بن گیا تھا۔ صبر ضبط برداشت کا مادہ بالکل بھی نہ رہا تھا۔

بات بات پر آپے سے باہر ہو جاتا اور پھر جو چاہتا کہنے لگتا۔ وہ حیران و خوفزدہ اس کا رنگ بدلتا چہرہ نکلتا جاتی اس کے سامان و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس کی ایسی عزت افزائی کرے گا۔ معمولی معمولی باتوں پر تمام لحاظ بالائے طاق رکھ دے گا اس کے کول کول احساسات کو یوں کند چھری سے ذبح کرنے کا وہ اپنے آنچل میں ڈھیروں آرزوؤں کے گلاب لائی تھی خواہشوں کے کنول احد نے ہی اس کے دامن میں بھرے تھے۔ یہ شادی خالصتاً احد کی ضد شدید خواہش و اصرار پر ہوئی تھی۔ احد کی ان شدتوں نے اسے خوش فہم بنا ڈالا تھا۔ اس کی زندگی بدل کر رہ گئی تھی۔ وہ اس کے سپنوں پر قابض ہو گیا تھا۔ دھڑکنوں میں بس گیا یہ خیال ہی کس قدر جاں فزا اور روح پرور تھا کہ وہ احد کی خواہش ہے۔ وہ اسے چاہتا ہے بے حد بے حساب اس کے اصرار پر ہی جھٹ پٹ شادی کا انتظام کیا گیا تھا۔ نہ جانے کس لمحے وہ اس کی نگاہوں کا مرکز بن گئی تھی کہ وہ جہاں ہوتی اس کی نگاہیں بھی آس پاس رہتیں وہ ہر لمحہ ہر پل اسی کی کھوج میں رہنے لگا تھا۔ پہلے پہل اسے ان نظروں سے از حد ابھرن ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ پہلے وہ سب ایک ساتھ یہیں رہا کرتے تھے باوجود ایک ساتھ

پروان چڑھنے کے وہ آپس میں بے تکلف نہیں تھے۔ احد تمام کزنز سے مختلف تھا۔ کسی سے بھی بے تکلف نہ ہوتا تھا۔ عجب لائق و بے اعتنائی تھی اس کی طبیعت میں۔ وہ خود میں مگن ان سے دور دور رہتا تھا۔ جو کبھی مجبوراً ان کی گید رنگ میں بیٹھ بھی جاتا تو اسی لائق انداز میں۔ اسے بار بار مخاطب کرنا پڑتا تو مختصر جواب دیا کرتا تھا۔

ثناء کا کہنا تھا کہ احد بھائی اپنی خوب صورت آواز کی حفاظت کرتے ہیں کہ کہیں زیادہ استعمال سے خراب نہ ہو جائے اس لیے زیادہ بولنے سے گریز کرتے ہیں۔“

ثناء کے انکشاف نے انہیں نئے کام پر لگا دیا۔ وہ ہمہ وقت اس کی آواز سننے کی متنی جان جان کر اسے بات کرنے پر اکساتے انہیں ثناء کی بات کا قائل ہونا ہی پڑا تھا۔ ان سب نے محسوس کیا تھا نہ صرف اس کی آواز دلکش ہے بالکل دھیمادھیم پھواری برساتا لہجہ بھی شاندار ہے۔

”پھر بھی احد بھائی اتنا کم کیوں بولتے ہیں؟“ عمیرہ کنفیوژ تھی۔

”ارے بھئی! وہ گدھا ہے اور گدھے اپنی آواز کو بخوبی سمجھتے ہیں۔“

”گدھے تم خود ہو پھر کسی کو اپنی طرح مت سمجھا کرو۔“ مسکان نے چھیڑا۔

”اے دم کٹی بندر یا! تمہیں درمیان میں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”تم خود ہو کان کٹے لنگور۔“ مسکان تپ کر کہہ اٹھتی بحث کا موضوع بدل جاتا۔ ان میں ہمیشہ کی طرح جنگ چھڑ جاتی۔ جس میں دونوں فریق ہی ہتھیار ڈالنے پر تیار نہ ہوتے۔ ان کی نوک جھوک سے باقی سب خوب لطف لیتے۔ ان دونوں میں جتنی گہری دوستی تھی۔ اتنی ہی ایک دوسرے سے لڑائیاں بھی لڑی جاتی تھیں جو جلد بھی صلح و جنگ میں بدلتی رہتی تھیں۔

بہت اچھے دن تھے وہ بھی نہ بچو ہونے والی یادوں سے وابستہ۔

ان ہی دنوں اسے احد کی نگاہوں کے بدلتے رنگ

ڈسٹرب کرنے لگے تھے۔ وہ اس سے بات نہیں کرتا تھا مگر اس کی بولتی نگاہیں اسے بدحواس رکھتی تھیں۔ ان ہی دنوں ڈیڈی اور ماما بھائی اور بھابی کے پاس سائپرس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ وہ بھی خوش گھی ملک سے باہر جانے کے خیال سے اور اس کا یہ خیال محض خیال ہی رہا۔ ان کے سائپرس جانے میں دو ہفتے باقی تھے ماما اور ڈیڈی کے ویزے مل گئے تھے۔ اس کے ویزے میں نہ جانے کیا تاخیر تھی۔ ڈیڈی اسلام آباد جانا ہی چاہتے تھے کہ رات کو چچا اور چچی (جن کو شادی کے بعد احد کے حکم پر می پیا کہنے لگی تھی) چھوٹے چچا اور چچی کے ساتھ آئے اور گزارش کی کہ سائپرس جانے سے قبل مسکان کو ان کی جھولی میں ڈال دیں۔ فیصلہ بالکل بروقت کرنا تھا۔ ماما ڈیڈی نہیں مان رہے تھے۔ وہ رخت سبز باندھ چکے تھے۔ اپنی رہائش گاہ جوان کے برابر والی تھی وہ فروخت کر چکے تھے۔ طویل عرصہ سائپرس میں اپنی بیٹے بہو کے ساتھ گزارنے کا ارادہ تھا۔ پھر جو کہتے ہیں جذبے صادق ہوں تو منزل مل ہی جاتی ہے۔ نامعلوم کیا کیا جتن کر کے اسے اپنا بنا لیا تھا وہ جو دوسرے دیں جانے کے خواب دیکھ رہی تھی کسی خوب صورت خواب کی حسین تعبیر کی طرح پیار کے دیں چلی آئی۔ کم گو سنجیدہ مغرور احد اسے پا کر از حد خوش تھا۔ وہ اپنی ظاہری صفات سے بالکل مختلف تھا۔ اپنے گلشن حیات میں اس نے اس کو بڑی گرم جوشی و مسرت سے خوش آمدید کہا تھا۔ کھلے دل سے پذیرائی کی تھی۔ اس کی جنوں خیز چاہتوں نے مسکان کے ارد گرد پھول ہی پھول کھلا دیئے تھے۔ وہ نیلے آکاش کی بلندیوں پر پرواز کرنے لگی تھی۔ حسین و پر بہار سبز و شاداب وادیوں میں سیر کرنے لگی۔ احد کا رویہ بہت اچھا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہنستا باتیں کرتا بے حد خیال رکھتا۔ لیکن یہ دن کسی خوب صورت خواب کی طرح جلد گزر گئے۔ نامعلوم اسے کیا ہوا؟ وہ بالکل بدل گیا۔ کم سخن پہلے تھا اب تو گویا لب و کرنا ہی بھول گیا تھا اور جو کبھی کوئی بات کرتا بھی تو ایسی کہ وہ پہروں اس کے انداز پر کڑھتی رونی اور سوچتی اسے کیا

ہو گیا ہے؟ وہ ایسا کیوں ہو گیا ہے؟ پہلے تو ایسا نہ تھا پھر یہ اچانک کیا ہو گیا؟ سخت مزاج اس قدر کہ کڑھکی چہرے سے ہویا تھی آنکھیں خفگی سے بھری ہنسا در کنار مسکراتا بھی بھول گیا تھا۔ اس کی محبت چاہت بے قراری چار دن کی چاندنی ثابت ہوئی تھی۔ وہ اس کے ہر روپے پر سوچتی اس سے کہاں غلطی ہوئی؟ کیسی انجانی خطا ہوئی ایسی کیا کوتاہی ہوئی جو وہ اس سے اکھڑا اکھڑا خفا خفا بے زار رہنے لگا۔ ہزار بار سوچنے کے باوجود بھی اسے اپنی کوئی غلطی یا قصور نظر نہ آیا جو اس کی مسلسل انتہا پسندی و اشتعال انگیزی کا شکار بن رہی تھی۔ اس کی وہ چار دن کی محبت اور چاہت کے دلولہ خیز مظاہرے اتنے حیات بخش و تسکین آمیز تھے کہ اس کی اب یہ بے مروتی رکھائی و غصہ اسے گھائل کیے ہوئے تھا۔ وہ کسی بے قرار روح کی مانند ہر لمحہ مضطرب رہا کرتی تھی۔

آج تو اس نے وحشت و جنون کی تمام حدیں پار کر ڈالی تھیں۔ آنسو خشک ہونے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔ ماما اور عمیرہ کتنے پیار سے اس کی دلجوئی کر رہی تھیں۔ احد کے بدلتے رویے و گرم مزاجی نے انہیں بھی متفکر کر ڈالا تھا۔

”نامعلوم کیا ہو گیا ہے احد کو ایسی بدتمیزی و سنگدلی کا مظاہرہ کبھی نہ کیا تھا۔ اس کی خاطر کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہو اس احمق کو خود احساس نہیں ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے بہت جلد ہی اسے معلوم ہو جائے گا تو دیکھنا خود تم سے معافی مانگے گا۔ شاباش مسکراؤ شاباش۔ ایسی چھوٹی موٹی باتوں کو دل سے نہیں لگاتے ایسی باتیں تو ہر گھر کا معمول ہیں اور پھر شوہروں کو عادت ہوئی ہے بات بے بات رعب جمانے کی حکم چلانے بات منوانے کی جب تک مرد ایسی جاہلانہ حرکتیں نہ کریں ان کی حاکمانہ فطرت کو تسکین نہیں ملتی۔ چین و قرار نہیں آتا۔ ماؤں پر رعب ڈال نہیں سکتے بہنوں کے مہمان ہونے کا خیال ہوتا ہے اب بیوی کے روپ میں عورت ہی ان کی حکمرانی من مانی حاکمیت کے زمرے میں آتی ہے سو دل کھول کر ایسے مظاہرے کیے

جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات قابل تحسین ہے کہ وہ تمہیں محبت و اپنائیت بھی اتنا ہی دے گا جتنا غصہ کرتا ہے اور تم تو ویسے بھی اس کی خواہش ہو۔ پسند ہو بڑی چاہ سے اس نے تمہیں اپنے جیون میں شامل کیا ہے۔ اس کی پہلی تمنا، آخری خواہش تم ہی تو ہو۔“ ان کا مشفقانہ انداز ایک شریر دوست کی طرح ہو گیا اور اس کے بھیکے چہرے پر شرمیلی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

”بھینکس گاڈ بھابھی آپ مسکرائیں تو سہی ورنہ مجھے لگ رہا تھا آپ کے آنسوؤں کے سیلاب میں ہم سب ڈوب نہ جائیں۔“ عمیرہ ٹرے میں چائے کے ہمراہ اسٹیک بھی لے آئی تھی۔ کیونکہ اس نے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ماما کے حکم کے مطابق اسے چائے کے ساتھ اسٹیک بھی لینے پڑے تھے۔

عمیرہ یونیورسٹی کے قصبے سنانے لگی جو قصبے کم چٹکے زیادہ تھے ماما بھی اپنی یادداشت سے بچھ کھانچ کر کوئی ایسی بات ضرور سنارہی تھیں جس سے بے ساختہ ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر رہی تھی۔ وہ ماں بیٹی اس کی دلجوئی میں لگی ہوئی تھیں۔ ان کے اتنی محبت و اپنائیت بھرے دلاسون نے اس کی ذہنی کثافت کا فی حد تک دور کر دی تھی۔ وہ خود کو قدرے بہتر محسوس کر رہی تھی۔

☆☆

وہ رات کو لیٹ آیا تھا وہ سوئی نہیں تھی۔

”تم ابھی تک کیوں جاگ رہی ہو؟“ احد نے کوٹ اتار کر بیڈ پر ڈالتے ہوئے نارمل لہجے میں کہا۔ اس کا انداز پرسکون تھا شام کی ناگواریوں کا کوئی ہلکا سا شائبہ تک نہ تھا پرسکون چہرہ نرم انداز بلا کی معصومیت و بے فکری تھی۔

”کھانا لاؤں؟“ اس کے پرسکون انداز و لا پرواہی نے مسکان کے اندر جاری کھولن کو مزید بڑھا دیا۔ بھلا اسے بے عزت کر کے وہ خود کس قدر راحت و چین سے تھا۔ اسے اس کی بے نیازی نے بے چین کر دیا تھا۔ جب دل میں شکوے شکایتوں کے انبار لگ جائیں لہجے میٹھے جذبوں سے عاری سپاٹ و خشک ہو جاتے ہیں زبان

کڑوی و لفظ بے تاثر ہو جائے تو یہی حالت ہوتی ہے جو اس وقت اس کی تھی۔ احد نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ بھاری پپوٹے سرخ ناک ستا چہرہ لگاؤٹ و چاہت سے عاری سپاٹ لہجہ اسے بری طرح سلگا گیا۔

”نو بھینکس۔“ وہ جھنجھلا کر گویا ہوا اور پاؤں پختا ہوا اٹیچڈ ہاتھ کی طرف بڑھ گیا۔ ٹائٹ ڈریس پہن کر باہر آیا تو اس کی جانب دیکھے بغیر لائٹ آف کر دی۔ اس کے برابر سے تکیہ کھینچ کر بیڈ کے کنار پر لیٹ گیا تھا۔ از حد بیگانہ و سرد رویہ تھا اس کا مسکان کے دل میں کھلی کوئی سی خواہش، دلکش سی امید، معصوم سا خیال، موبہومی آس کہ وہ اپنی زیادتی پر شرمندگی کا اظہار کرے گا۔ اس کے بے رحم و سنگدل رویے کی آنچ نے کوئی سی خواہش کو کھلنے سے قبل ہی جھلسا ڈالا تھا۔ اس کی یہ بیگانگی و لاتعلقی اس کے دل پر ضربیں لگانے لگی تھی۔ وہ خاموشی سے بے آواز دل کی گھٹن آنسوؤں کی صورت میں بہانے لگی۔ بے چینی اسے بھی گھیرے میں لینے لگی تھی۔ دم بدم بدلتی کروٹیں اس کے مضطرب و بے کل ہونے کی غماز تھیں۔ اس کے آنسو اسے بے چین کر رہے تھے لیکن جہاں اتنا ناک کا مسئلہ آجائے۔ وہاں بے چینی و اضطراب تو برداشت کر لیا جاتا ہے مگر پہل کرنا جھکنا منظور نہیں ہوتا۔ وہ بھی ایسا ہی تھا۔

ان اپرست و خوددار حد سے سوا۔

وہ کروٹیں بدلتا بدلتا کسی پہر سو گیا تھا۔ نیند مسکان سے روٹ رہی تھی۔ آنسو دوپٹے سے رگڑتے ہوئے کروٹ بدلی وہ جو ناراضگی کا اظہار کرتا ہوا بیڈ کے کنار پر سو گیا تھا کروٹیں بدلتا ہوا بہت قریب آ گیا تھا۔ نفاست سے سنورے رہنے والے بالی بکھر کر پیشانی پر پھیلے ہوئے تھے۔ سحر انگیز آنکھیں بند تھیں۔ وہ بے خبر نیند میں محو خواب تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر انوٹھی سی چمک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ درخششی وہ سختی جو ہر وقت اس پر سوار رہنے لگی تھی اس وقت بالکل نہیں تھی۔ وہ بے اختیار اسے دیکھے گئی۔ وہ خاندان کا خوب روخص تھا۔ ہزاروں دلوں کی دھڑکن، سینکڑوں دلوں کی آرزو لیکن میں نے اسے پانے

کی آرزو کی تھی اور اپنا بنا کر چھوڑا تھا۔ کس قدر حیات بخش تھا یہ خیال کہ یہ شخص صرف میرا ہے اور کیسی جان کنی میں مبتلا کر دینے والی سوچ تھی کہ نامعلوم یہ مجھے پسند کرتا بھی ہے یا نہیں اس کے تیز و انداز تو تمام خوش گمانیوں کو ملیا میٹ کر دینے والے تھے۔ نہ غیر یقین ہونے دیتے نہ یقین کی ڈور کو تھامنے دیتے۔ شاید وہ محبت ہی کرتا تھا کہ وہ غیر وطن جاتی جاتی اس کی بناوی گئی تھی اور اس کی دھڑکنیں بھی اس کا نام لاپنے لگی تھیں۔ وہ اسے اپنا بنا کر بیگانہ بن گیا نہ معلوم کیوں؟

☆☆

وہ سب لان میں جمع تھے موسم بڑا سہانا ہو رہا تھا۔ ابر آلود آسمان سے شفاف بوندیں موتیوں کی طرح گر رہی تھیں۔ دھیمی دھیمی چلتی ہوئی مسیت ہوا کے عطربیز جھونکے بوندیں جو کچی مٹی پر پڑ رہی تھیں مٹی بھیگ کر از حد حیات بخش خوشبو لٹا رہی تھی۔ بارش کے قطروں سے دھلے دھلائے پتے پودے سبزہ سب نکھر گئے تھے۔ سبزے پر کھڑی پھولوں میں گھری سرخ کاشن کے اسٹاکش سوٹ میں وہ ماحول کا ہی حصہ لگ رہی تھی چہرے کے نقوش اس کے دلکش تھے گندم کی سنہری رنگت میں سرخیاں کھلی ہوئی تھیں۔ اس کی سیاہ آنکھیں بہت دلکش اور خوب صورت تھیں۔ قد متناسب و خدوخال پرکشش تھے۔ سیاہ رنگی بال دراز و گھنے تھے وہ رعنائی و دلربائی کا مرقع تھی۔ ہنسی مسکراتی خوش و شاداب سی مسکان کا یہ روپ بہت عرصے بعد وہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ و شوخی پر تو وہ قدا ہوا تھا اور اس کی زندگی میں آنے کے بعد ہنسنا مسکراتا شوخی و شرارت سب بھول گئی تھی۔ ہمہ وقت کھوئی کھوئی رہتی خاموش و کم گو یا بات کرے گی تو رو پڑے گی۔

”مسکان! ابھی میری موجودگی میں بھی اس طرح ہنسی مسکراتی رہا کرو تمہارے اس روپ کا تو میں دیوانہ ہوں تمہاری ان ہی شوخیوں نے تو میری راتوں کی نیندیں دن کا سکون و قرار لوٹ لیا تھا تمہیں حاصل

کرنے کے لیے میں نے بزرگوں کو خودکشی کرنے کی دھمکی دے دی تھی۔ اگر تم مجھے نہ ملتیں تو زندگی موت سے بدرجہا جانی۔ تمہیں پا کر محسوس ہوا میں نے زندگی کا مقصد پالیا ہے لیکن وہ مسرت وہ شادمانی لمحاتی ثابت ہوئی۔ تمہیں پا کر کچھ دنوں بعد مجھے محسوس ہوا تم میری منزل تھیں مگر میں تمہاری منزل نہ تھا۔ تمہارے ہونٹوں پر ہر وقت احسن کا نام تھا۔ احسن ایسا ہے وہ ایسے چلتا ہے وہ ویسے بیٹھتا ہے۔ اسے یہ ڈش پسند ہے اسے وہ ڈرنک پسند ہے وہ اس طرح ہنستا ہے اس کا پسندیدہ پھول سن فلاور ہے اس کا پسندیدہ کمر وغیرہ وغیرہ۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں جب ہم دونوں کے درمیان کوئی تیسری پرچھا میں بھی مجھے قطعی گوارا نہ تھی۔ تم اس کو موجود رکھتی تھیں۔ جو نہ ہوتے ہوئے بھی ہمارے درمیان موجود رہتا تھا۔ میں جتنا اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا اتنی ہی اس کو ہمارے درمیان ہنستی تھیں۔ احسن جو میرا کزن ہے اب مجھے رقیب لگنے لگا ہے اور کیوں نہ لگے جو شخص کسی لڑکی کو اپنے شوہر سے زیادہ عزیز ہو وہ رقیب ہی لگے گا۔ رفیق نہیں۔ میں جو مسکان سے اپنے بارے میں سننا چاہتا تھا میں جو اپنی محبت و لگن دیوانگی کے قصے اس کو سناتا تھا اپنی بے تائیاں بے چینیوں و بے قرار یوں کی داستان اسے کئی کئی بار سنا چکا تھا جواب اس سے بھی ایسی ہی بے قرار یوں کا احوال جانا چاہتا تھا مگر جوابا محبت کے اظہار و اقرار کے بجائے احسن نامہ سننے کو ملتا تھا۔ شادی کے دو ماہ گزر جانے کے باوجود اسے معلوم نہیں کہ میرا فیورٹ کمر کون سا ہے۔ ہاں اسے یہ معلوم ہے کہ احسن مسٹر ڈسوٹ کے ساتھ کس میچنگ کی ٹائی اور رومال پسند کرتا ہے۔

احدا پر میسر پر کھڑا اسے پھولوں و گلیوں کے درمیان کھلکھلاتے ہوئے دیکھ کر سوچ رہا تھا وہ ایک شیز کے نیچے اس طرح کھڑا تھا کہ بوندوں سے بھی بچا ہوا تھا اور نیچے بھی آسانی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ آج آفس سے جلدی آ گیا تھا۔ موسم انجوائے کرنے کا ارادہ بہت عرصے بعد بنا تھا اور ایسے میں وہ جان عزیز بھی سراپا بہار بنی کھڑی تھی۔

محبت نے ایک دم ہی جوش مارا تھا۔ شکوے شکایتیں اس رومان پر موسم میں کہیں چھپ گئے تھے۔ منہ کھول کر تیز ہوتی بوندوں کو حلق میں جذب کرتی ہوئی مسکان پر پہلے کی طرح ٹوٹ کر پھار آیا تھا۔ اس کے دجیبہ چہرے پر دھیمی مسکراہٹ پھیل گئی چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد لانگ ڈرائیو اور ڈرنک پر وگرام بناتا وہ اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

”تمہارا بالما نہیں اسٹوپڈ! بالی ہوگی غلط کار ہے ہو تمہیں اس طرح گانا چاہیے۔ آئے موسم رنگیلے سہانے چائیں مائے تو چھٹی لکڑا جالبلی۔“ مسکان نے فوراً جھٹک لی تھی۔

”میں اپنے لیے نہیں بلکہ تمہارے لیے گارہا تھا میری بالی تو میرے قریب ہی ہے۔“ احسن نے سامنے جھولا جھولی عیسرہ کو دیکھ کر شوخی سے کہا۔

”ارے کہاں ہے آپ کی بالی؟ میں تو نظر نہیں آرہی پلیز بتائیں ناں کہاں ہے تاکہ ہم بھی ان کا دیدار کر کے ثواب دار بن حاصل کریں۔“ احمد از حد پر اشتیاق لہجے میں بے تابی سے گویا ہوا تھا۔

”تمہاری قریب کی نظر خراب ہے خاک نظر آئے گی۔“ احسن احمد کو گھور کر بولا۔

”اور تمہاری تو نظر ہی نہیں بلکہ نیت بھی خراب ہے۔ خبردار جو ایسی ویسی نظر ڈالی اس پر۔“ مسکان آنکھیں نکال کر گویا ہوئی۔

”اوہ! یعنی محبت کرنا نظر کی خرابی نیت کا فتور کہلاتا ہے تو ڈیر مینڈ یو آپ کے اس بلا سنڈھلو نے پہلے یہ جراثیم پھیلانے ہیں۔ تم پر نظریں اور نیت خراب کر کے اسے کچھ کہنے کے بجائے جھٹ اس کی بن گئیں اور مجھے فضول رعب دکھا رہی ہو۔“

”احسن! تمہیں کتنی بار کہا ہے احمد کو بدتمیزی سے مت پکارا کرو۔ اگر انہیں معلوم ہو گیا تو تمہارا حشر کروں گے۔“ وہ تنک کر گویا ہوئی۔

”اوہ گاڈ! انہیں۔“ اس نے مسکان کے انداز میں کہا

اور پھر استہزائیہ انداز میں ہنسنے لگا۔ ”ارے کیا حشر بگاڑے گا میرا وہ سال۔“

”وہاٹ..... وہاٹ سالا؟ شرم نہیں آتی تمہیں اتنی بے ہودہ زبان بولتے ہوئے۔“ حسب عادت وہ بھرپور طیش میں آگئی تھی۔

”سالا! کو سالا نہیں تو بابا کہوں گا۔“ احسن بھلا کہاں رعب میں آنے والا تھا۔ ”ہماری تو برابری ہے وہ میرا سالا میں اس کا سالا۔“

”احسن بھائی! کیوں آپ میری بھائی کو تنگ کر رہے ہیں؟“ عمیرہ جو کافی دیر سے انہیں لڑنے بھگڑتے دیکھ رہی تھی جھولے سے اتر آئی تھی۔

”تم مجھے بھائی کب تک کہتی رہو گی؟“ ”ساری زندگی۔“ جتنی خفگی سے سوال کیا گیا تھا اتنی سادگی سے جواب ملا تھا۔

”لا حول ولا قوۃ لڑکی! اب تم بڑی ہو گئی ہو اور یہ بھائی والی کہنا چھوڑ دو ورنہ ساری زندگی بھائی کی دہلیز پر رہی بیٹھی رہو گی۔“

”توبہ بھئی! احسن بھائی! نامعلوم آپ کیسی باتیں کرتے ہیں مجھے سمجھ نہیں آتی۔“ عمیرہ شانے اچکانی ہوئی اندر بڑھ گئی۔ احمد بھی معنی خیزی سے مسکراتا ہوا اندر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

”اوبلی جھالو کے مردانے ماڈل! اپنا منہ بند رکھو کہیں سب کو تازہ ترین نیوز الرٹ سناسنا کر متوجہ کر دے۔“ اس نے پھرتی سے آگے بڑھ کر احمد کو گدی سے پکڑ کر وارننگ دی تھی۔

”خدا کو حاضر ناظر جان کر جو کچھ بھی کہوں گا سچ کہوں گا سچ کہوں گا سچ کے سوا کچھ نہ کہوں گا۔“ وہ بھی اس کا بھائی تھا آسانی سے کیسے مان جاتا۔

”اچھا بیٹے! استاد سے استادی یعنی میرا بلا مجھ ہی کو میاؤں یعنی یعنی یعنی..... یار مسکان تم ہی کوئی مثال بتاؤ مجھے یاد نہیں آرہی۔“

”کھسیانا بلا کھسانو پنے تم پر بالکل سوٹ کرے گی۔“

مسکان ہنستے ہوئے بولی۔ احمد نے تائیدی قہقہہ لگایا تھا۔
 احسن اس کی گلدی چھوڑ کر مسکان کے پیچھے بھاگا تھا۔
 بوندیں ہلکی بارش میں تبدیل ہو گئی تھیں۔
 ابر بڑھ گیا تھا۔ شمال کی جانب سے سیاہ گھنگور گھٹائیں
 خراماں خراماں چلی آ رہی تھیں۔ دوپہر کے وقت بھی رات
 کا گمان ہو رہا تھا۔ خوابناک اندھیرے کے باعث بلیک
 جینز گرے لی شرٹ میں انگلی میں کی رنگ گھماتا خاصے
 خوشگوار موڈ میں احد لان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا
 مسکان کو لانگ ڈرائیو پر جانا اور چائیز فوڈز بے حد پسند
 ہے۔ وہ خاموشی سے تیار ہوا تھا۔ مٹی سے کہہ آیا تھا۔ اب
 اچانک اسے سر پر آنر دینا چاہتا تھا تاکہ اس کے خوش
 رنگ چہرے کے مسرت سے مچلتے پھولوں کی دلکشی محسوس
 کر سکے۔ وہ آنے والے مسکور کن لمحات کے تصور میں گم
 آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ سامنے کا منظر دیکھ کر ایسے ٹھنک کر
 رکا تھا جیسے کوئی حسین خواب دیکھتے دیکھتے کوئی ڈراؤنا سینما
 نظر آ جائے۔ وہ جہاں تھا وہیں رک گیا۔ چہرے کی
 خوشگوار ناگواری میں بدلنے لگی۔ کشادہ پیشانی شکنوں
 سے پر ہونے لگی۔ کچھ ساعت قبل جن آنکھوں میں خوب
 صورت چمک تھی اب شعلے ناچ رہے تھے۔ ہونٹوں کا تبسم
 غائب ہو چکا تھا۔

وہ دونوں بھاگ بھاگ کر تھک گئے تو لان میں
 آویزاں سنگ مرمر کی بیچ پر بیٹھ گئے۔ احمد موقع پاتے ہی
 اندر کھسک گیا تھا۔

”ہنسنا بند کرو اور اپنی اس کم عقل نند کو میرے جذباتوں
 کی زبان سمجھاؤ عجیب اسٹوڈنٹ لڑکی ہے۔ جذباتوں کی آواز
 لگا ہوں کا انداز محسوس ہی نہیں کرتی اپنے بھائی سے کچھ تو
 اسے سبق لینا چاہیے تھا جو عشق کی ڈگری حاصل کر چکا
 ہے۔“

”بکواس مت کرو اگر احد کو معلوم ہوا تو بہت برا ہو
 گا۔“ مسکان کی شوخی بھری تیز آواز اس کی غیرت پر طمانچہ
 بن کر گئی تھی۔

”کون بتائے گا اسے تم؟ مجھے معلوم ہے تم اتنی بے

وقوف نہیں ہو۔“

”بے وقوف میں ہوں جو سب کچھ اپنی آنکھوں سے
 دیکھنے کے باوجود اپنی محبت سے شکست کھا کر تمہیں اپنا یا
 جس کے تم قابل نہ تھیں۔“ اس کا خون رگوں میں لاوا بن
 کر دوڑنے لگا۔ وہ دونوں سر جوڑے راز و نیاز میں
 مصروف تھے۔ اس کی آمد و حالت سے بے خبر جو مارے
 جنون کے خود پر بمشکل قابو پاتا اپنے کمرے میں آ گیا اور
 جوتوں سمیت بیڈ پر دریا ز ہو گیا۔

بارش زور پکڑ چکی تھی اور ساتھ ہی خشکی بھی بڑھ گئی تھی۔
 باہر بارش ہو رہی تھی۔ اس کے اندر الاؤ بھڑک رہے
 تھے۔ باہر ٹھنڈک و سکون تھا۔ اسے ہر سو ٹھن و بے سکونی
 محسوس ہو رہی تھی۔ محسوسات بھی کتنے عجیب ہوتے
 ہیں۔ احساسات کے تعلق کی ہر ذرہ دل کے موسم سے
 مربوط ہوتی ہے۔ دل خوشی سے جھوم رہا ہو تو خزاؤں میں
 بھی موسم بہار کا گمان ہوتا ہے اور اگر اندر اداسیوں و
 وحشتوں نے ڈیرے ڈالے ہوں تو ایسے موسلا دھار
 برستے پانی بھی بھڑکتے شعلے لگنے لگتے ہیں۔

”مٹی! احد ابھی تک نہیں آئے۔ ان کے آفس کا ناٹم
 بھی ختم ہو چکا ہے باہر بارش میں بہت شدت آگئی ہے
 نامعلوم کہاں چلے گئے ہیں؟ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔
 ان کا موبائل بھی آف ہے۔“ مسکان جو کافی دیر سے
 لباس تبدیل کر کے احد کا انتظار کر رہی تھی کئی بار ٹرائی
 کرنے پر جب اس نے موبائل کال ریسیون کی تو وہ گھبرا کر
 مٹی کے پاس آ کر گویا ہوئی۔

”کیا بات کر رہی ہو بھو! احد تو آج دوپہر کو ہی آفس
 سے آ گیا تھا۔“ کباب فرانی کرتی ہوئی مٹی تعجب سے گویا
 ہوئیں۔ ”اور مجھ سے کہہ گیا تھا کہ تمہیں لے کر لانگ
 ڈرائیو پر جا رہا ہے۔ رات کھانا کھا کر واپس آؤ گے اور تم
 کہہ رہی ہو احد آفس سے نہیں آیا۔“

”دوپہر کو آگئے تھے۔ مگر کہاں ہیں؟ میں نے انہیں
 اندر آتے نہیں دیکھا۔“ نامعلوم دوسرے دگھبراہٹ اس پر
 سوار ہونے لگی۔

”بڑا گیٹ چوکیدار لاکڈ کر کے چلا گیا تھا۔ وہ پچھلے
 گیٹ سے کار اندر لایا تھا۔ رحمت بوا سلاو بعد میں بنانا
 پہلے کباب فرانی کر ڈیٹ میں دیکھ کر آؤں احد کہاں گیا ہے۔
 میرے سامنے تو تیار ہو کر کار کی چابی لے کر گیا ہے۔“ وہ
 رحمت بوا کو ہدایت دیتی ہوئی باہر نکل آئیں۔ پہلے پورٹیکو
 میں جھانکا وہاں اس کی کار کھڑی تھی جس کا مطلب تھا وہ
 گھر میں ہی تھا۔

”ارے تمہارے ہاتھ تو بہت سرد ہو رہے ہیں۔“ ان
 کے ہاتھ سے اس کا ہاتھ ٹکرایا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر متفکر
 انداز میں گویا ہوئیں۔

”وہ..... وہ میں بارش میں کافی نہانی تھی شاید اس وجہ
 سے ہو رہے ہیں۔“ وہ انہیں مطمئن کرنے کے لیے مسکرا
 کر بولی در نہ در حقیقت اس کا پورا جسم خوف سے سرد ہو رہا
 تھا۔ دھڑکنوں میں گویا ریفریجنر لگی تھی۔

”تو گویا ایک گھنٹے قبل جب احسن اس سے بڑی راز
 داری سے عیسرہ کو پر پوز کر کے مشورے لے رہا تھا عین
 اس وقت اسے محسوس ہوا تھا مٹی باز کے پیچھے سے کوئی
 اسے کھور رہا ہے اس کا پہلا خیال احد کی طرف ہی گیا اور
 اس نے بوکھلا کر فوراً اس طرف آ کر دیکھا تھا مگر وہاں کوئی
 نہ تھا مگر اس کے اندر ایک اضطراب و بے چینی پھیل گئی تھی
 اور اسی گونگو کی حالت میں اس نے احسن کی بات بھی
 ڈھنگ سے نہ سنی تھی۔ اب اسے معلوم ہوا جسے اس نے
 واہمہ سمجھ کر رد کر دیا تھا وہ واہمہ نہیں حقیقت تھی اور ایسی ہی
 حقیقت جس نے اس کے اوسان خطا کر کے پورے
 وجود میں سنسنی دوڑا دی تھی۔

”کیا ہو گا اب؟ اس شام انہوں نے کتنا ہنگامہ کھڑا
 کیا تھا۔ اب نامعلوم کب سے وہ مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے
 ہوں گے اور کیا سلوک کریں گے؟ احسن سے کیا پر خاش
 ہے سمجھ میں نہیں آتا۔“ وہ سوچتی جا رہی تھی سب طرف
 دیکھنے کے بعد بالآخر بیڈ روم سے انچید لانگ روم میں وہ
 جوتوں سمیت بیڈ پر لیٹا ہوا ملا۔

دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے بالکل سیدھا ہے جس و

حرکت کسی مجسمے کی مانند سرخ انگارہ نگاہیں چھت کو گھور
 رہی تھیں۔ بنا پلکیں جھپکائے ان کی آمد پر بھی اس میں
 کوئی جنبش نہ ہوئی تھی۔

”یہ کیا طریقہ ہے بیٹا! مجھ سے کہہ دیا کہ مسکان کو
 لے کر ڈرائیو پر جا رہے ہو اور اسے کچھ بتائے بنا یہاں
 پڑے ہو۔ حد ہو گئی لا پرواہی و نامعقولیت کی بھی۔ اگر جانا
 نہیں تھا تو بتا دو دیتے کہ نہیں جانا۔ پچی یہ سوچ سوچ کر
 ہلکان ہو رہی ہے کہ تم ابھی تک گھر ہی نہیں آئے۔“
 مسکان کی دگرگوں حالت انہیں طیش دلانے کے لیے کافی
 تھی جب کہ اس کا خوف و فکر سے برا حال تھا۔

”میرا موڈ نہیں ہے کہیں جانے کا۔“ وہ اسی طرح
 دراز گویا ہوا۔

”ہاں..... ہاں میں جانتی ہوں تمہارا مزاج بدلتے
 دیر نہیں لگتی۔ خدا جانے کب تمہارا یہ بچپنا رخصت ہو گا
 اب تم اکیلے نہیں ہو۔ پوئی کی ذمہ داری ہے کل کو باپ
 بنو گے تو بھی ایسی ہی اونٹنی ہوگی حرکتیں کرتے رہو گے۔“
 مٹی کی بات پر وہ بری طرح جھینپ گئی تھی۔

وہ کچھ کہے بنا خاموشی سے اٹھ کر بیڈ روم میں چلا گیا
 تھا۔ مٹی چلی گئی تھیں۔ وہ خاموشی سے وہ قدموں بیڈ روم
 میں چلی آئی جہاں وہ کمرے کے درمیان میں دونوں ہاتھ
 کمر کے دائیں بائیں رکھے شعلہ بار نگاہوں سے
 دروازے کی طرف گھور رہا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی سیدھی
 اس کی نگاہوں کی زد میں تھی۔

”تمہیں آخر میری ضروریات کا خیال کیوں نہیں
 رہتا؟ وارڈ روم میں ایک بھی شلوار سوٹ پر لیس کیا ہوا
 نہیں ہے۔ دن بھر ایسے کپڑوں میں رہنے کے بعد رات
 بھی میں ان پینٹ کوٹ، جینز، شرٹ، تھری پیس سوٹس میں
 گزار دوں گا؟ آخر کب تم مجھے سمجھو گی؟ وہ خوش نصیب دن
 کب آئے گا جب اپنی ہر ضرورت کی چیز مجھے بن کہل
 جائے گی؟ معمولی سے معمولی کاموں کے لیے تمہیں کند
 ذہن بچے کی مانند سمجھانا پڑتا ہے اور ہر بار تم بھول جاتی
 ہو۔“ تمہیں میں یاد ہی نہیں رہتا تو میری ضرورت خاک

یاد رہے گی۔ سوچا تھا بیوی آجائے گی تو کم از کم می با عمیرہ کو ہر کام کے لیے پکارنا نہیں پڑے گا لیکن یہ خیال محض خیال ہی ثابت ہوا۔ مکی کی ذمے داریاں کم ہونے کے بجائے بڑھ گئیں۔ بیٹے مکی کے ساتھ بہو کی ناز برداریاں بھی ان کے ذمے پڑ گئیں۔ تم اس قدر پھوہڑ بد سلیقہ بے احساس و بد تمیز ہو گئی مجھے گمان بھی ہوتا تو تمہارے حصول پر ہزار بار لعنت بھیج کر بھی مڑ کر بھی نہ دیکھتا۔" یاہر برستے بادلوں سے زیادہ گرج اس کے لہجے میں تھی وہ چہرہ جھکائے کوئی لفظ نکالے بغیر اس کی جلی کئی باتیں سنتی رہی۔ وہ اسی طرح لمحے بھر میں آپے سے باہر ہو کر جو منہ آتا بولے جاتا۔ وہ سہم کے مارے کوئی لفظ منہ سے نکال نہ پائی۔

"منہ بند کر کے کیا کھڑی ہوئی؟ کیا پانوں؟ میرے سامنے بولتے ہوئے تمہاری زبان کھلتی ہے۔ احسن سے باتیں کرتے وقت تان اشاپ زبان چلتی ہے۔ ہونہ نہ جانے ان دنوں کیا ہو گیا تھا مجھے جو جانتے بوجھتے یہ سب کیا جو مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا بھلا مجھ سا بھی کوئی احمق بے وقوف ہو گا۔" وہ پھٹکی پر کے مارتے ہوئے مسلسل جھکے پرچہ کے لگا رہا تھا۔ مسکان نے وارڈ روب سے اسے وہاں شلوار سوٹ استری شدہ نکال کر دیا۔ اس حصے میں اس کے تمام شلوار سوٹ استری شدہ تہہ در تہہ رکھے تھے۔ احمد نے وہ حصہ کھولا تھا جس میں پینٹ جینز وغیرہ پنگ تھے۔

"مجھے کیا دے رہی ہو با تھ روم میں رکھ کر آؤ اتنی بھی تہذیب نہیں ہے تمہیں ایڈیٹ۔" اس نے سوٹ پیش میں اچھالا تھا۔ تذلیل و تحقیر اہانت آمیز رویے نے اسے چور چور کر ڈالا تھا۔ وہ سوٹ اٹھا کر با تھ روم میں لے گئی۔ بارش اور اس کی آنکھیں ساری رات برستی رہیں۔ وہ شکوہ کس سے کرتی؟ شکایت اسے خود سے تھی۔ گلہ اپنے دل سے تھا جس نے اسے دھوکا دیا تھا۔ وہ نہ معلوم کس ساعت کس لمحے احمد کا ہو گیا تھا اور اسے اس واردات کا علم بہت عرصے بعد ہوا تھا۔

"کتنے اچھے کتنے بے فکری کے پر لطف دن تھے وہ میں بہر اہوں لوگ....."

جب ان گھٹن زدہ بے کیف و بخر وقت کی شروعات بھی نہ ہوئی تھیں۔ وہ کھڑکی میں کھڑی باہر برستی بارش دیکھ رہی تھی باہر بارش پورے جوش و خروش سے ہو رہی تھی۔ اتنی ہی شدت سے اس کی آنکھیں بھی چہرے کو بھگوتی ہوئی گریبان کو بھگوتی تھیں۔

بیڈ پر اس کی جانب پشت کے احد نیند کی گولیوں کے زیر اثر بے خبر سو رہا تھا۔ نیند میں بھی اس کے چہرے پر ناراضگی و بدگمانی کے تاثرات تھے۔ سیاہ بال اچھے اچھے تھے اس کا ذہن بھی اس کے بالوں کی طرح ماضی کی خوشگوار باتوں یا دلوں میں الجھا الجھا گیا۔

☆ ☆

"ارے کہاں گیا؟ ابھی تو میں یہیں رکھ کر گئی تھی۔" مسکان والٹ کارنر پر رکھ کر سن گلاسز لینے کمرے میں گئی تھی۔ اب واپسی پر والٹ غائب تھا۔

"اگر جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں؟" احمد مسکسی صورت بنا کر بولا۔

"فورا بکو۔"

"بکو؟ بدولت کی یہ عزت ہے آپ کی نگاہوں میں؟"

"نہیں اس سے کچھ بڑھ کر قبل اس کے کہ میں سرید تمہاری عزت افزائی کروں شرافت سے بتاؤ میرا والٹ کس نے چرایا ہے؟"

"یہ وہی ہیں جن کا خاندانی پیشہ (اودہ خاندان میں تو میں بھی شامل ہوں) یعنی جن کا ذریعہ معاش ایسے ہی کاموں سے چلتا ہے سمجھ رہی ہیں نا آپ؟"

"احد یا احسن کی بات کر رہے ہو تم؟" وہ چیختی تھی۔

"یہ بتانے کے لیے آپ کو خرچ کرنا پڑے گا۔" احمد کالر جھاڑ کر گویا ہوا۔

"ابھی لگاؤں گی چار تھپڑ سارا خرچ نکل جائے گا تمہارا۔" وہ اسے ایک دھب رسید کرتی ہوئی احسن احسن چیختی اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"یا وحشت لڑکی! اتنی زور زور سے چیخ رہی ہو جیسے میں بہر اہوں لوگ....."

"والٹ نکالو میرا جو تم نے کارنر سے اڑایا ہے۔" وہ اس کی بات سنی ان کی کر کے تیز لہجے میں بولی تھی۔

"وہ والٹ تھا یا پتنگ؟"

"دیکھو شرافت سے میرا والٹ دے دو مجھے شاپنگ پر جانے کی دیر ہو رہی ہے۔"

"کیسا والٹ؟ کون سا والٹ؟ تم کیوں مجھ سے والٹ مانگ رہی ہو؟ اگر میرا والٹ مانگ رہی ہو تو سواری فرینڈ! مینیج کا آخر سے سخت کڑکی کے دن ہیں۔ ادھار پر گزارا چل رہا ہے۔ بلکہ اب تو کوئی ادھار دینے کو بھی تیار نہیں ہے۔ دور سے دیکھ کر ہی لوگ رفو چکر ہو جاتے ہیں۔ میں تو خود تم سے ادھار پیسے مانگنے آ رہا تھا کہ تم یہ کیا کہتی ہوئی آ رہی ہو۔ آج ہی تو میں نے ایک دوست سے کچھ رقم ادھار مانگی تو کہنے لگا ادھار محبت کی پیچی ہے اور میں تمہیں ایسی پیچی نہیں دے سکتا جو ہماری محبت کو کاٹ کر رکھ دے اور ایک درد بھری داستان سنو برگر ٹائم برگر لینے گیا ادھار تو وہ بولا۔ "نقد شوق سے ادھار اگلے چوک سے۔" میں نے کہا بھائی اگلے چوک پر کوئی شاپ ہی نہیں ہے۔ تم ہی دے دو پیسے ملتے ہی ادھار چکا دوں گا تو وہ بولا۔ "کل آ جانا اور اس روز سے روز جاتا ہوں وہ کہتا ہے کل پھر کل جاتا ہوں وہ کہتا ہے کل آتا مجھے تو لگتا ہے اس کل کے انتظار میں کل زندگی گزر جائے گی اور وہ کل نہیں آئے گا۔" احسن کی زبان پوری طرح رواں تھی۔

"میرا والٹ دے دو ورنہ میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔" وہ شدید غصے میں تھی۔

"خون آشام بلا تو شکل ہی سے لگتی ہو مگر میرا خون اتنا ستا نہیں ہے جو تم اتنی آسانی سے پی جاؤ گی۔" ان دونوں میں زبردست جنگ چھڑ گئی تھی۔ وہ لڑتے جھگڑتے ہال روم میں آ گئے تھے جہاں ان کی آوازیں سن کر سب کزنز پارٹی جمع ہو گئی تھی گھر کے بڑے بے خبر تھے۔

"آخر ہوا کیا ہے کچھ معلوم بھی ہو لڑتے وقت تم دونوں منہ کھول دیتے ہو آنکھیں بند کر لیتے ہو۔" منیبہ ان دونوں کے درمیان میں آ کر گویا ہوئی۔

"منہ بند کر کے آنکھیں کھول کر کبھی تم ہی بتانا کہ کس طرح لڑا جاتا ہے۔" احسن تنہا ہی ایک محاذ پر کئی کئی حملے پسپا کر سکتا تھا۔ اس کے جواب پر قہقہہ پڑا تھا۔

"تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے مسکان تم بتاؤ ہوا کیا ہے؟"

"اس سدا کے بے ایمان نے یہاں سے میرا والٹ اٹھالیا ہے۔ اب اقرار کرنے کے بجائے جھوٹ بول بول کر اپنے گناہوں کی گھڑیاں بڑھا رہا ہے۔ اللہ معاف کرے۔ تمہارے تو کرنا کاتین سے بائیں بازو والا ہے چارہ عاجز ہو چکا ہو گا بد اعمالیوں سے رجسٹر بھرتے بھرتے معاف کر دو اسے ترس کھاؤ اس کی حالت پر اور کچھ کام دامن باز دو الے فرشتے کے لیے بھی انجام دو۔ تمہاری پیدائش سے اب تک فارغ بیٹھا بیٹھا بور ہو رہا ہوں گا۔ خدا را کچھ نظر عنایت اس پر کر دو۔"

"اودہ! خود تو بڑی نیک بی بی ہوتا؟ چوبیس گھنٹے مصلے پر عبادت کرتی رہتی ہو۔"

"الحمد للہ صبح فجر میں سب کو میں ہی اٹھاتی ہوں۔"

"سب کو اٹھا کر خود سو جاتی ہو یا نماز ادا کیے۔" احسن رو برد بولا۔

"بھی نہیں زیادہ اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا والٹ واپس کرو۔" اسے موضوع سے ہٹے دیکھ کر مسکان نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

"میں نے نہیں لیا۔ کیوں الزام لگا رہی ہو یا پھر کوئی گواہ پیش کرو جس نے مجھے والٹ چوری کرتے دیکھا ہو۔ اس کے علاوہ میں زانیہ نکالنا چاہتا ہوں اگر زانیہ نکالوانا چاہو تو فیس ادا کر کے نکلاؤ گئی ہو لیکن اس کے لیے تمہیں چور کا نام اور چور کی والدہ کا نام بتانا ہو گا۔ تب بتا سکتا ہوں چوری کس نے کی۔"

"ابھی اپنے ناخنوں سے تمہارے منہ پر ایسا زانچہ بناؤں گی کہ ساری زندگی یاد رکھو گے قبل اس کے کہ میرا بیانا صبر چھلک پڑے والٹ دے دو۔" احسن کو مسلسل خنجرہ پن کرتے دیکھ کر اس کا پیانا صبر لبریز ہو ہی گیا تھا۔

وہ اسے مارنے کے لیے ایش ٹرے اٹھا کر پلٹی ہی تھی کہ اندر آتے ہوئے احد نے بریف کیس عمیرہ کو تھما کر والٹ کوٹ کی پاکٹ سے نکالتا ہوا اس کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

”کول ڈاؤن کول ڈاؤن مسکان یہ لو اس میں سے شاپنگ کر آؤ۔“ ہزار ہزار کے کئی کرارے نوٹ اس کی جانب بڑھتا ہوا وہ اپنا نیت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ”لے لو۔۔۔ کیا ہوا کیوں نہیں لے رہیں؟“ احد نے اسے ہچکچاتے دیکھ کر اصرار کیا تھا سب کز نز تذبذب کا شکار مسکان کو دیکھتے یا احد کے ہاتھ میں موجود نوٹوں کو جبکہ اس بڑی لچائی نظروں سے نوٹوں کو دیکھ رہا تھا۔ ”نہ۔۔۔ نہیں میں آپ سے کیوں لوں گی میرے والٹ میں بھی خاصی رقم تھی۔“

”اگر یہ کم ہیں تو اور دوں بلکہ اور لے لو۔۔۔“ اس نے دوسری پاکٹ میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ وہ ہاتھ اٹھا کر تیزی سے گویا ہوئی۔

”نو۔۔۔ نو۔۔۔ نو احد بھائی! بہت شکریہ۔ دراصل بات پیسوں کی نہیں ہے رقم تو میں پاپا یا ماما احمد بھائی سے بھی لے سکتی ہوں کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ادھر رکھا ہوا والٹ غائب کہاں ہوا۔ اگر اسی طرح سے گھر میں سے چیزیں غائب ہونے لگیں تو کتنی پریشانی ہوگی کتنے غیر محفوظ ہو جائیں گے ہم لوگ۔“

احد کی نگاہوں میں کچھ ایسے ہی ناراض و برہم سے تاثرات تھے کہ نوٹ واپس جیب میں منتقل ہونے تک اسے لمبی چوڑی وضاحت دینی پڑی تھی۔ ایک جھٹکے سے اس نے نوٹ جیب میں ٹھونسنے تھے اور تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے فوراً ہی چلا گیا تھا۔ مسکان نے سکھ کی سانس لی تھی۔

”ناشکری ہونے کے ساتھ ساتھ از حد بے احساس بھی ہو کتنے خلوص سے روپے دے رہا تھا لے لیتیں۔ دل توڑنا تو کوئی تم سے سیکھے کہیں مقابلہ ہارٹ بریک ہو تو تم فرسٹ پرائز لے کر آؤ گی۔“ احسن نے گھر کا تھا۔

”اگر کبھی کہیں مقابلہ جھوٹ و چوری ہو تم فرسٹ پرائز لے کر آؤ گے۔“ مسکان کے جواب پر سب ہی ہلکھلا کر ہنس پڑے تھے احسن کو سخت طیش آ گیا۔ ”مجھ پر جھوٹا الزام مت لگاؤ ورنہ بری طرح پیش آؤں گا لومڑی بیگم۔“

”مجھے لومڑی کہا؟۔۔۔ تم خود ہو گے گیدڑ مگر مجھے کن کھجورے لال بیگ۔“

”کیا ہو رہا ہے بچو؟ کیوں اتنا شور و ہنگامہ مچا رکھا ہے۔“ اظہار چچا نے اندر آتے ہوئے دریافت کیا تو باپ کو دیکھ کر احسن نے جلدی سے بات بنائی۔

”کچھ نہیں ڈیڈی! وہ مسکان پر کا کروچ چڑھ گیا تھا اور اس نے شور مچانا شروع کر دیا۔“ اس کے لب و لہجے چہرے کے تاثرات سے معمولی سے بھی جھوٹ کا شائبہ تک نہ تھا۔ چچا مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

”دیکھا۔۔۔ دیکھا اس جھوٹوں کے سردار کو کتنی صفائی سے جھوٹ بولتا ہے۔ اب بھی تم لوگ یقین نہیں کرو گے کہ میرا والٹ اسی جھوٹے نے چرایا ہے۔“ مسکان کو اپنی سچائی کا ثبوت بھی فوری ہی مل گیا وہ ہر جوش انداز میں بولی تھی۔

”پلیز احسن! مذاق ختم کرو اب بتا دو مسکان کا پرس کہاں ہے؟“ چھوٹے چچا کے شامل نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر درخواست کی۔

”میری قسم میرے ہونے والے پوچھنوں پکنی چکنی کی قسم میں نے چرایا نہیں ہے۔“

”لو بھئی یہ بھی خوب رہی بچوں کے نام بھی سوچ لیے اور تعداد بھی۔ چلو لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دو ہماری بھابی کا نام کیا ہے؟“ منیر ہنس کر استفسار کر بیٹھا۔

”پہلے میرا والٹ بتاؤ پھر کچھ بتانا۔“ مسکان اڑ گئی۔ ”جہنم میں میری قسموں پر بھی اعتبار نہیں آیا حیرت ہے۔“

”جیسے تم ویسی تمہاری قسمیں۔ مرتے دم تک مجھے یقین نہیں آئے گا۔“ مسکان زچ تھی۔

”کتنی رقم تھی اس میں؟ اب تو یہ ٹاپک بور کرنے لگا ہے۔“

”پورے پورے پندرہ ہزار نو سو ننانوے۔“ شمیرہ کے استفسار پر اسے بتانا پڑا۔

”یا اللہ! اتنا بڑا جھوٹ۔۔۔ کس قدر جھوٹی ہو تم۔“ مجھے کہہ رہی ہو چور؟ اور تم خود کیا ہو چورنیوں کی سرداری۔“ احسن تڑپ کر بول اٹھا۔

”اچھا۔۔۔ تم ہی بتاؤ کتنے تھے؟“

”پانچ ہزار سات سو ستر روپے۔“

”ہا۔۔۔ تم نے والٹ لیا ہی نہیں تو تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ اس کے پرس میں کتنی رقم تھی؟“ سب مشترکہ قہقہہ لگا کر بولے اور اسے اپنی جلد بازی یا جذباتیت کا احساس ہوا تو سر تھام کر صوفے پر گر گیا۔

”مسکان آستین چڑھائی ہوئی صوفے کی جانب بڑھی۔

”ہاں۔۔۔ ہاں بولو بولو والٹ کہاں ہے میرا؟“

”مسکان اڑ کر بولی۔

”کارنر پر رکھا گلا ہٹاؤ اس کے نیچے ہے۔“ اب وہ شرافت سے گویا ہوا۔

”اب بھی بتانا۔۔۔ پہلے بتا دیتے تو اتنی دیر بکواس تو نہ کرنی ہوتی۔“ مسکان گیلے کے نیچے سے والٹ نکال کر چیک کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

”پھر لوگوں کو معلوم کس طرح ہوتا۔“

”کیا۔۔۔؟“

”یہی کہ تم جھوٹی ہو جھوٹوں کی ملکہ ہو۔“

”جی نہیں۔۔۔ میں جھوٹی نہیں ہوں۔ ابھی جو جھوٹ بولا ہے مجبوراً بولا ہے کیوں کہ میرے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا بھی وقت ضائع ہو رہا تھا۔“

”واہ بھئی واہ گناہ بھی کرو پھر گناہ کو تسلیم بھی نہ کرو۔“

”نیتوں کا حال رب خوب جاننے والا ہے اس لیے آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ والٹ پرس میں ڈالتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

گھر میں احمد بھائی کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ شادی سے ہفتے بھر پہلے ہی دور دراز علاقوں میں قیام پذیر مہمانوں رشتے داروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ چند روز پہلے قرعہ رشتہ دار بھی آچکے تھے۔ خوب گہما گہمی شور و ہنگامہ ہمہ وقت ہی رہتا سب بہت خوش تھے۔ خاندان کی یہ دوسری شادی تھی۔ پہلی شادی بڑے چچا کے پہلے بیٹے احد کے بڑے بھائی اسفند کی تھی جو شادی کے بعد تھائی لینڈ شفٹ ہو گئے تھے۔ اب احمد کی شادی میں شرکت کرنے سے انہوں نے معذرت کر لی تھی کیوں کہ وہ جس کمپنی میں بطور انچارج انجینئر کام کر رہے تھے ان سے معاہدے کی رو سے پانچ سال یا تین سال قبل وطن نہیں آ سکتے۔ ان کی اور ان کی مسز کی غیر موجودگی کو سب نے ہی محسوس کیا۔

”میں اس لیے ملک سے باہر جا کر ملازمت کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔ مادی چیزوں کے حصول کی خاطر انسان اپنوں کی خوشیوں و دکھوں کو بھی شیر نہیں کر سکتا۔“

”اسفند اپنی مرضی سے نہیں گیا۔ اس کی بہتر کارکردگی سے متاثر ہو کر اس کو کمپنی کی طرف سے ہی بھیجا گیا ہے۔

یہ قابل فخر مقام ہے ہمارے لیے میری شادی میں نہ سہی تمہاری شادی میں ضرور شرکت کرے گا تو سب گلے شکوے مٹ جائیں گے۔“ احمد بھائی نے اس کی کمر تھپتھپاتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

احمد اور مسکان دو بہن بھائی تھے سو اکلوتے بھائی کی شادی کی خوشی اسے حد سے سوا بھی ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔ شادی اور ویسے کے سوس اس کی پسند کے آئے تھے۔ مسکان سمیت سب نے بہت اصرار کیا تھا کہ حمیرا اپنی پسند کے سوس کی خریداری کے لیے ان کے ہمراہ جائے مگر شرمیلی سی حمیرا نے اپنی پسند کی ذمے داری مسکان پر ڈال دی تھی۔ اس کی چو اس شروع سے ہی لا جواب تھی۔ شادی کے دن کے لیے اس نے پنک کلر کا سوٹ پسند کیا تھا جس پر بہت دیدہ زیب و جگمگاتا ہوا کام تھا۔ ویسے کے لیے لہنگا منتخب کیا تھا سرخ و بنگ

کے اپر اور چندری کے ساتھ زورنگ کا دمکتا ہوا لہنگا عجیب بہار دکھا رہا تھا۔ ساتھ بھاری میچنگ جیولری لشکارے مار رہی تھی۔ تمام کزنز نے اُس کے مشوروں سے ہی تیاریاں کی تھیں اور اسی چکر میں اُس کی تیاری ادھوری رہ گئی تھی۔

”احسن! پلیز مجھے بازار لے چلو نا، کتنی مٹیں کراؤ گے؟ رات کو مہندی لے کر جانا ہے اور میرے پاس میچنگ کی جیولری نہیں ہے اور نہ ہی دوپٹہ۔“

”اتنے دنوں سے کیا تم سو رہی تھیں جو تمہیں ابھی یاد آیا ہے باہر کے کام کیا میرے لیے کم ہیں جو تم اور اضافی بوجھ لا کر بالکل ہی گدھا بنانے پر کمر بستہ ہو۔“ احسن ابھی باہر کے نئی کام نمٹا کر آ کر بیٹھا ہی تھا کہ مکان اُس کے کان کھانے لگی تھی۔

”یاد تھا مجھے لیکن سب کے چکر میں بالکل ذہن سے نکل گیا۔“

”سب کا درد ہمارے جگر میں ہے، تم سیاست دان کیوں نہیں بن جاتیں۔ قسم سے تم جیسے لوگوں کی ہمیں ہمارے ملک کو شدید ترین ضرورت ہے جو اپنی نہیں دوسروں کی ضروریات کا اس حد تک خیال رکھتے ہیں کہ بعد میں مجھ جیسے محنتی سعادت مند و ہونہار بندے کے آگے بھیک مانگنی پڑتی ہے۔“

”اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی ضرورت نہیں ہے اور ہونہار نہیں بے کار کو اس لیے کہ تمام مردوں میں صرف تم فارغ ہو یا وہ احمد۔۔۔۔۔ اب تو اٹھ جاؤ کافی دیر سے بیٹھے ہوئے ہو شاپنگ سے آ کر رات کی تیاری بھی کرنی ہے۔ نا تم نہیں ہے میرے پاس اور سوٹ کے ساتھ میچنگ کا دوپٹہ کسی سوٹ کا نہیں ہے ورنہ تمہیں زحمت نہ دیتی۔“

”ایک تو تم لوگوں کی میچنگوں نے زندگی خراب کر دی ہے۔ ضروری ہے ہر سوٹ کی میچنگ کرنا اس قدر فضول خرچی کرنا کیا ضروری ہے۔ تقریب چند گھنٹوں کی ہوتی ہے اور اس کے لیے بازاروں کے بے شمار چکر لگائے جاتے ہیں۔ وقت اور پیسے کے زیاں کا کوئی حساب ہی

نہیں ہے اب تمہیں سے برا حال ہے چائے کافی لانے کے بجائے فرمائش کیے جا رہی ہو۔“

”توبہ۔۔۔۔۔ کیواس کرنے میں بہت ماہر ہوں دیر ہو رہی ہے صرف دوپٹہ اور جیولری تو لیں گے۔ ہوا کی طرح جائیں گے نوا کی طرح آئیں گے۔“

”ہاں ہاں مجھے معلوم ہے تمہارا ہوا کی طرح جانا اور آنا۔ یہ دو چیزیں خریدنے میں کتنی دیر لگے گی، بخوبی اندازہ ہے مجھے۔ ایک ایک چیز پہلے گھنٹے بھر دیکھو گی، پھر کہیں گھنٹوں میں خریدو گی۔ ابھی صرف دو آٹم بتائے گئے ہیں بازار میں قدم رکھتے ہی دنیا جہاں کے مسلمان کی لسٹ تمہارے دماغ سے برآمد ہوگی اور میں خوار ہوں گا۔“

وہ بیٹھا باتیں بنا رہا تھا، مکان غصے کو کنٹرول کر رہی تھی۔ جانتی تھی ابھی جس طرح بیٹھا کیواس کر کے جان جلا رہا ہے کام پڑنے پر بے حد کڑی ریوٹلٹ ہو رہا ہے۔ اس وجہ سے اس کی بک بک خامسے گل سے سن رہی تھی۔

کوچ برنیم دراز احد بظاہر نیوز پیپر کی ورق گردانی کر رہا تھا لیکن اس کے کان اُن کی طرف ہی لگے تھے۔ مکان کتنی دیر سے اُس کی مٹیں کر رہی تھی اور احسن اپنی جگہ سے ہل کر نہیں دے رہا تھا۔ احد کو احسن کی بے نیازی پر طیش آیا تو کم غصہ مکان پر بھی نہیں آیا جو فضول میں اُس بدگیز شخص کی مٹیں کر رہی تھی۔ وہ بھی قریب ہی بیٹھا تھا کیا وہ اس قابل نہ تھا کہ وہ ایک بار اُس سے کہتی اور وہ فوراً ہی تیار ہو جاتا۔ لیکن اُسے تو احسن کے علاوہ کوئی نظر ہی نہیں آتا تھا ان دنوں شادی کے ہنگاموں کی باعث کچھ اپنی ذمے داریاں محسوس کر کے وہ آفس سے جلد آ جاتا تھا کہ انکل کی مدد کر سکے۔ اس سے سوا کچھ دل کے تقاضے بھی تھے جو آہستہ روی سے بڑھتے بڑھتے اس قدر زور ہو گئے تھے کہ اب ہمہ وقت ایک چہرے کے دیدار کی تمنا دل میں رہنے لگی تھی ان دنوں اُس کی نگاہیں اُس کے ارد گرد ہی رہتی تھیں۔

مکان کو ذرا سا بھی کوئی کام پڑتا تو وہ احسن کی طرف دوڑتی بڑے شوق سے اُس کی لاکھ مٹیں بھی کرتی، فضول

کیواس بھی سنتی اور خوب زچ کرنے کے بعد وہ کہیں جا کر کام کرنے پر آمادہ ہوتا اور مکان ساری کوفت و پریشانی بھلا کر اُس کے سنگ ہو جاتی۔

”لے جاؤ مکان کو احسن! مت پریشان کرو۔“ وہاں گزرتی احسن کی والدہ نے کہا۔

”اوکے، چلو لیکن کچھ شرائط منظور ہوں تو چلو۔“ وہ اٹھتا اٹھتا پھر بیٹھ گیا۔

”ادوہ تم شاپنگ پر لے کر جا رہے ہو یا مسئلہ کشمیر حل کروا رہے ہو؟“ وہ جھنجھلا کر بولی۔

”خیر اب اتنا بھی ڈیپوٹنگ بندہ نہیں ہوں میں اگر شرائط منظور ہوں تو کہو؟“

”ہونہہ تم تو ہو ہی منحوس۔ تم سے کچھ کہنے سے بہتر ہے بندہ دیوار سے سر پھوڑے اور چین کی بانسری بجائے۔ کہیں نہیں جا رہی میں پہن لوں گی کوئی پرانا سوٹ نئے سوٹ کے لیے کوئی مر نہیں جاؤں گی۔ میرے رہو تم یہاں پر اب اگر کہیں جاؤ تو اللہ کرے تمہاری ٹانگیں ٹوٹ جائیں اور تم کہیں نہ جانے پاؤ۔“ بلا خراس کی ضبط کی طنائیں ہاتھ سے چھوٹ گئیں اور وہ کوسنوں پر اتر آئی۔

”ارے مانی گاڈ! اگر خدا خواستہ میری ٹانگیں ٹوٹ گئیں تو تمہیں باہر کون لے کر جایا کرے گا؟ میرے علاوہ تمہارا شو فر بننے کو کوئی بھی تیار نہیں ہوگا، چلو چلو میں چل رہا ہوں۔“ وہ ہنستا ہوا کھڑا ہو گیا تو وہ اکڑ گئی۔

”کہیں نہیں جانا مجھے۔“

”کم آن یا ز مذاق کر رہا تھا۔ بھلا تمہیں کس طرح انکار کر سکتا ہوں میں بلکہ تمہاری شو فری کرنے کے لیے ساری زندگی تیار ہوں۔“ احسن ہاتھ جوڑتے ہوئے التجائیہ لہجے میں گویا ہوا تو مسکرا دی۔ وہ بھی کون سی سیریس تھی اسے راہ راست پر لانے کے لیے جذباتی بلیک میلنگ کی تھی کیوں کہ مہندی پر پرانے سوٹ کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ہستی مسکرائی وہ احسن کے ساتھ نکل گئی تھی۔ احد نے اخبار کی اوٹ سے انہیں دور تک دیکھا تھا۔ ہونٹ دانتوں تلے اتنے زور سے دبایا تھا کہ خون

چھلک پڑا تھا۔

☆☆☆

احمر بھائی کی شادی کا دن بہت ہنگامہ خیر طلوع ہوا تھا۔ صبح سے ہی گھر میں خوب چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ بیا اور دونوں چچاؤں نے وارننگ دے دی تھی کہ سب وقت پر بالکل تیار ہو جائیں اگر کوئی تیار نہ ہوا تو وہ بلا کسی لحاظ و مروت کے اُس کا انتظار کیے بغیر بارات لے جائیں گے اور سب ہی جانتے تھے کہ وہ وقت کے بے حد پابند ہیں جو نا تم دیا ہے اُسی وقت پر بارات لے کر پہنچیں گے۔

سب سے پہلے لڑکیوں کو وارننگ ملی تھی کہ وہ شام کی چائے سے فارغ ہو کر تیاریوں میں لگ جائیں اور شام تک تیار ہو جائیں کیوں کہ دیر اس جانب سے زیادہ ہوتی تھی۔ سو وہ سب دوپہر کو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد تیاریوں میں لگ گئی تھیں کسی کو ہیئر اسٹائل بنوانے کی فکر تھی کسی کو آئی شیڈ سوٹ نہیں کر رہا تھا، کوئی چوڑیاں بکھرائے بیٹھی تھی تو کسی کی میچنگ جیولری ادھر ادھر ہو گئی تھی تو کسی کی لپ اسٹک نہیں مل رہی تھی۔ عجیب افراتفری کا سماں تھا جو اس وقت مچا ہوا تھا۔

”ارے یہ کہاں آ گیا میں؟“ احسن جو اس وقت وہاں مکان کی تلاش میں آیا تھا اُن سب کو تیاریوں میں مصروف دیکھ کر تیرزدہ سا گویا ہوا۔

”پرستان میں۔“ ندا چوڑیاں پہنتی ہوئی شوخی سے بولی تھی۔

”اچھا۔۔۔۔۔ اب معلوم ہوا چڑیلیں پریوں کا روپ کس طرح بدلتی ہیں۔“

”احسن بھائی! آپ ہمیں چڑیل کہہ رہے ہیں؟“ فیروزی و سیاہ کٹ ورک سوٹ میں تک سیک سے تیار عمیرہ شکایتی لہجے میں اُس سے مخاطب ہوئی تھی۔

”ارے رے تمہیں کون چڑیل کہہ رہا ہے اتنی چڑیلوں میں تم ہی تو ایک پری ہو، معصوم پری اور وہ کہاں ہے ان سب کی ملکہ؟“ اس کی متلاشی نگاہیں یہاں وہاں

احسن نے اُس سے بھی پھرتی سے بھاگ کر اُس کا بازو پکڑ لیا۔

”کوئی معافی دانی نہیں چلے گی چائے تو تمہیں بنا کر دینی پڑے گی۔ صبح سے اب تک کتنے کپ پی چکا ہوں مگر مزہ نہیں آیا۔ یہی شکایت چھوٹے چچا بھی کر رہے تھے میں نے کہہ دیا مسکان سے اچھی چائے کوئی نہیں بنا سکتا تو بولے درست کہہ رہے ہو میں نے کہا بنوا کر لاؤں گویا ہوئے نیکی اور پوچھ پوچھ۔ ویسے بھی ہماری مسکان بیٹی اتنی سعادت مند و فرمانبردار ہے کہ ہماری خواہش سنتے ہی فوراً چائے بنا کر دے گی۔“ وہ اسے اسی طرح پکڑے پکڑے کچن میں لے آیا تھا اور اسے مجبوراً چائے بنا کر دینی پڑی تھی لیکن اُس سے بھرپور بدلہ لینے کا وہ تہیہ کر چکی تھی۔ جان بوجھ کر ٹرائی میں ایک مگ کم رکھا تھا۔ احسن کے جاتے ہی مگ میں چائے اُنڈیل کر دوئی اسپون نمک کے بھر بھر کر ڈالے اور معصوم سی صورت بنا کر وہاں پہنچ گئی۔

”تھینکس“ میں ابھی لینے آ ہی رہا تھا کہ سب کو چائے مل گئی میں رہ گیا۔“ سب بزرگ وہاں موجود تھے اور اُن کی موجودگی میں وہ ایسے ہی مہذب بن جایا کرتا تھا جیسے اس وقت اُس نے خاصے مہذبانہ انداز میں مگ تھاما تھا۔ مسکان مگ دے کر چھوٹے چچا کے قریب بیٹھ گئی تاکہ اُس کی معتمدہ خیز ہونے والی حالت سے لطف اندوز ہو سکے۔ اُس کی نگاہیں احسن کی جانب ہی تھیں اور اُسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ احسن نے جیسے ہی چائے کا پہلا گھونٹ بھرا اُس کی آنکھیں حلقوں سے ابھر آئی تھیں۔ وہ بڑی طرح جھرجھری لے کر اُنٹھ کھڑا ہوا۔

”کیا ہوا؟ بیٹھ کر پیو چائے مجھے تمہاری یہ عادت سخت ناپسند ہے کھڑے کھڑے کھانے پینے کی۔“ گھر میں چھوٹے چچا خاصے مذہبی واقع ہوئے تھے۔ اُن کا وقت عموماً سنتوں کی پیروی کرتے اور کرواتے گزرتا تھا۔ مسکان نے اُن کی موجودگی کے پیش نظر ہی یہ پلان ترتیب دیا تھا اس کے باعث وہ اُن کے قریب بیٹھی تھی

تھیں۔ ”قبل اس کے کہ ہم تمہارا حلیہ بگاڑ دیں یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤ۔“ وہ سب مل کر بولیں تو اسے وہاں سے بھاگنا ہی پڑا تھا۔

”یا وحشت! اندھے ہو گئے ہو کیا تم؟“ وہ دروازے سے نکل رہا تھا مسکان اندر داخل ہو رہی تھی نتیجتاً زبردست ٹکڑ ہوئی تھی۔

”سوری مادام! میں جان بوجھ کر نہیں ٹکریا بلکہ آپ کے حسن کی چکا چوند نے میری آنکھیں خیرہ کر دی تھیں ایسی حالت میں کہاں کچھ نظر آتا ہے۔ آپ تھانہ ہوں اور اگر نہ مانیں تو اپنا تعارف کروانا پسند کریں گی۔“ وہ بالکل اس طرح ہی رہا تھا گویا پہلی بار اسے دیکھ رہا ہو۔ ”یہ اور ایکٹنگ کسی اور کے سامنے کرنا سمجھے ہٹو میرے راستے سے۔“

”اوہ! یہ تم ہی ہو مسکان بی بی! منہ کھولتے ہی اصلیت ظاہر ہو گئی۔ سچ زبان کی بد صورتی چہرے کی خوب صورتی کو بھی زائل کر ڈالتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح ابھی چند لمحے قبل تم کتنی خوب صورت نظر آ رہی تھیں مگر زبان نے ظاہر کر دیا کہ تم وہی بد مزاج بد صورت بد عقل کزن ہو جس کو ہر لمحہ مجھے بھگتنا ہوتا ہے۔“ اس کی زبان رواں تھی۔

”تمہاری زبان کی خارش دن بدن بڑھتی ہی جا رہی ہے علاج کیوں نہیں کرواتے؟“

”دوا ہی تو لینے آیا ہوں تمہارے پاس۔“

”سوری میں پاگلوں کی ڈاکٹر نہیں ہوں۔“

”بد عقلوں کی تو ہو..... اپنی دے یہ بحث کا نام نہیں ہے۔ قفاٹ چائے بنا کر دو وہاں سب چائے کے لیے۔“

”سوری سوری سوری۔ میرے پاس بالکل بھی وقت نہیں ہے چائے وائے کے لیے کسی اور کے پاس جاؤ۔ میں ابھی تیار ہوئی ہوں میرا فیس خراب ہو جائے گا۔“ اس نے شانے اچکا کر تیزی سے آگے بڑھنا چاہا تھا۔

اور اس کے پلان کی کامیابی کا آغاز ہو چکا تھا۔

”چچا جان! چائے.....“

”اتنی گرم گرم چائے پینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟“ قبل اس کے کہ وہ اُس کی پول کھولتا جھٹ مسکان معصومیت سے بولی جبکہ اُس کی مسکراتی آنکھیں کہہ رہی تھیں ”دیکھا سچو! کیسا بدلہ لیا“ جواباً اُس نے بھی آنکھوں کی زبان میں دھمکی دی کہ وہ ”چھوڑے گا نہیں۔“

”چائے تو بہت مزے دار بنائی ہے ہماری بیٹی نے۔“ چھوٹے چچا اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے گویا ہوئے تو سب نے ہی تائید کی تھی جبکہ وہ بڑے مزے سے چائے پینے کے دوران احسن کے چہرے پر پھیلنے والے بے بسی بے چارگی اور مجبوری کے دلنشین نظارے دیکھتی رہی ہر گھونٹ پر اُس کی شکل دیکھنے والی ہوتی تھی۔ عام طور پر وہ ایسی چائے پینا تو درکنار دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ مگر اب مجبوراً چچا جان کی وجہ سے پینے پر مجبور تھا۔ اُس کے فرار کے تمام راستے وہ مسدود کر کے بیٹھی تھی۔

”اب اپنی خیر منادو تم۔“ وہ مگ سمیٹ رہی تھی جب وہ خونخوار لہجے میں سرگوشی کر کے گیا تھا۔

یارات بہت دھوم دھام سے وقت پر میرج گارڈن پہنچی تھی۔ پھولوں سے اُن کا استقبال کیا تھا۔ حمیرا بھابی دلہن بن کر بے حد حسین لگ رہی تھیں۔ احمر بھائی پر بھی از حد نکھار آیا تھا اُن کی شان دار جوڑی کو سب نے سراہا تھا۔

بے پناہ خوشیوں کے جھوم میں سب کی طرح وہ بھی مست تھی اس دوران پوری تقریب میں لاشعوری طور پر کسی کی بھرپور نگاہوں کی پیش وہ خود پر محسوس کرتی رہی تھی۔ مایوں مہندی بارات رخصتی ہر وقت نگاہوں کا حصار اُس پر رہا تھا اور بے ساختہ دیکھنے پر ہر بار احد کو ہی متوجہ پا کر اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا اور وہ از حد سوچنے کے باوجود نہ سمجھ سکی کہ اُس کا اس طرح دیکھنے کا مقصد کیا ہے۔ احسن سے وہ چھپتی رہی تھی جہاں وہ اس

کی جانب بڑھتا وہ تیزی سے کسی اور طرف ہو جاتی وہ اسے گھور کر رہ جاتا۔ وہ جانتی تھی اُس نے دھمکی دی ہے اور جب تک اُسے عملی جامہ نہ پہناتے اُسے سکون و قرار نہ ملے گا۔

گھر میں دلہن آچکی تھی۔ اُن کے ساتھ مختلف رسمیں ادا کی جا رہی تھیں وہ جو فیروزی ویلو ہنگے سوٹ میں ملبوس جس پر بھاری کام تھا سے گھبرا کر سوٹ چینج کر کے کمرے سے نکل ہی رہی تھی کہ دور سے آتے احسن کو دیکھ کر خطرے کی بو اُس نے سونگھ لی تھی۔ اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا راہداری دور تک سونی پڑی تھی۔ لان میں بھی کوئی نہ تھا تمام لوگ ہال روم میں دلہن کے گرد جمع تھے۔ کوئی اُس کی مدد کو نہ تھا اُس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ وہ متوحش کھڑی تھی۔

”چھو..... کہاں تک چھپ سکتی ہو۔ کیا سمجھ رہی تھیں میرا شکر کر کے بچ جاؤ گی؟“ احسن مسکراتا ہوا مخاطب ہوا تھا اور تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

”مقابلہ برابر ہوا ہے تم نے زبردستی چائے بنوائی میں نے زبردستی چائے پلوائی۔ اب تم کس بات کا بدلہ لو گے؟ اور ہم دوست بھی تو ہیں دوستوں میں ایسا چلتا رہتا ہے۔“ اس نے فوراً ہی پسپائی اختیار کر کے دوستانہ رویہ اپنایا۔

”مقابلہ برابر ہوا ہے بدلہ برابر نہیں ہوا اور میں دوستی کا لحاظ رکھ کر ہی صرف تمہاری یہ چوٹی جڑ سے اکھیڑوں گا اور کچھ نہیں کہوں گا۔“

”آہ..... دیکھو میرے بالوں کو ہاتھ مت لگانا۔“ وہ پیچھے ہوتی ہوئی چیخی۔

”اوہ..... اپنے بال تمہیں اتنے عزیز اور میرے حلق کا جو تم نے بیڑہ غرق کیا وہ کیا؟“ اُس نے بھاگتی ہوئی مسکان کی چوٹی پکڑ لی تھی درد سے اُس کی چیخ نکل گئی۔ اوپر سے اترتا ہوا احد تیز تیز قدموں سے اُن کی جانب بڑھا تھا۔

”کیا ہو رہا ہے؟“ اُس کے لہجے میں سخت ناگواری و

نا پسندیدگی تھی۔

”پلیز احد بھائی! اس جنگلی ریچھ سے بچائیں مجھے پلیز۔“ وہ بے ساختہ مدد کے لیے اسے پکار رہی تھی۔ وہ آگے بڑھا تھا اور اس کا ہاتھ جھٹک کر مسکان کی چٹیا آزاد کرائی۔ وہ لپک کر اس کے پیچھے ہوئی۔

”یار اتم درمیان میں نہ بولو تو ہی اچھا ہے۔ تم احمر بھائی کے ساتھ بیوی سیلون گئے ہوئے تھے جب اس نے مجھے چائے میں نمک ڈال کر ایسی خطرناک چائے پلائی تھی کہ میرے حلق میں ابھی تک خراشیں پڑی ہیں۔ معدہ زخمی ہو گیا اور آنتیں درد سے بلبلارہی ہیں۔ کچھ کھایا ہی نہیں جا رہا مجھ سے اب جب تک میں انتقام نہیں لے لیتا سکون سے نہیں رہ سکتا۔“ اس نے احد کو آگے سے ہٹانا چاہا۔

”نہیں! نہیں! احد بھائی! آپ یہیں کھڑے رہیں۔“ وہ اس کی پشت سے لگ گئی۔ اپنی شرارت اسے بری لگ رہی تھی۔ احسن کس قدر ڈھیٹ ہے وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ اپنا کہا ضرور پورا کرے گا خواہ چوٹی جڑ سے علیحدہ نہ کرے مگر زچ کرنے کا انداز ہی اذیت ناک ہوتا تھا! الوقت یہ پناہ گاہ ہی محفوظ ترین تھی۔

وہ ہاتھ اس کے بازوؤں پر رکھے چہرہ شانے پر نکائے بے حد نزدیک کھڑی تھی اور اس کے نرم گرم پر حرارت وجود کے لمس سے احد کے حواس سنسنائے تھے۔ ایک لمحے میں اس کے اندر تلاطم برپا ہوا تھا۔ رگ و پے میں ایک سرور تھرکنے لگا تھا۔ عجیب سرشاری یہاں سے وہاں تک پھیلتی چلی گئی۔ اس کی اُمتوں کو رنگ مل گئے تھے جذبول کی شوریدہ سری انگ انگ میں پھیلتی چلی گئی اور دل ہٹ دھری سے فیصلہ صادر کر چکا تھا کہ ”صرف تم“ کسی اور کے لیے دروازہ دل ہمیشہ کے لیے مقفل ہو چکا تھا۔ دل کے فیصلے سے وہ بھی متفق تھا۔ بہت سے وسوسوں کے باوجود فیصلے اہم ہوں تو کرنے میں وقت لیتے ہیں لیکن بعض اوقات زندگی کے ایسے اہم ترین فیصلے لمحوں میں ہو جاتے ہیں اور تاحیات نہیں بدلتے ایسا ہی

مضبوط فیصلہ اس وقت ہوا تھا وہ اس کی دلی کیفیت و جذباتی چپقلش سے بے خبر پیچھے شانے سے چہرہ نکائے کھڑی تھی۔

”اوکے اس کی جانب سے میں معافی مانگ رہا ہوں“

سوری۔

”سوری تمہارے سوری کرنے سے میری تکلیف ختم نہیں ہوئی۔“

”معاف کر دو نا پلیز آئندہ ایسا نہیں کروں گی۔“ ہال روم سے خوب قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں جہاں نہ معلوم کون کون سی رسمیں دلہن کے ساتھ ادا کی جا رہی تھیں جس کو دیکھنے کے لیے اس کی طبیعت مچنے لگی تھی۔ سو وہاں جانے کی جلدی میں وہ خود بول اٹھی تھی مگر جواباً وہ انکار کر رہا تھا۔

”آؤ میرے ساتھ۔“ وہ آہستگی سے اسے خود سے علیحدہ کر کے ہاتھ پکڑتے ہوئے ہال روم کی طرف بڑھ گیا۔ احسن نے حیرانی سے احد کا رویہ دیکھا تھا پھر کچھ سوچ کر اس کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بھی اسی طرف بڑھ گیا۔

وہ اس کے ایک ہفتے بعد احمر اپنی دلہن کو لے کر اپنی مون کے لیے ہنزہ گلگت کالام وغیرہ روانہ ہو گیا اور گہمپوں کی جگہ سکوت چھا گیا تھا۔ ☆☆☆

وقت تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا بدلتے وقت کے ساتھ بہت ساری تبدیلیاں ناگزیر تھیں۔ احمر کا روبرو کے سلسلے میں باہر شفت ہو گیا تھا۔ احد نے اپنے پاپا کی خواہش پر ان کی بزنس میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ احد کی پوسٹنگ ہری پور سے آگے محکمہ جنگلات میں بطور فاریسٹ آفیسر ہوئی تو وہ وہاں چلا گیا۔

ساتھ تھے بولنے باتیں کرتے تھے لیکن یکجہت ہی لفظوں پر سنجیدگی و بردباری کی برف سی جم گئی تھی۔ احسن کی شوخیاں شرارتیں چٹکے نما باتیں ان سب کو مٹنے پر مجبور کر دیا کرتی تھیں۔ خصوصاً ان سب میں اس کی حالت بہت مخدوش تھی۔ وہ ایک لمحے کو بھی ایسے بھلا نہ پائی تھی اور اکثر اسے یاد کر کے بے اختیار رو پڑتی تھی۔

ان دنوں اس کی کیفیت عجیب تھی۔ کھوئی کھوئی روئی روئی اُداس و بے قرار اُجاڑ ویران گھنٹوں لان کی سیڑھیوں پر بیٹھی ارد گرد سے بے خبر احسن کی فریم شدہ تصویر ہاتھوں میں لیے گھورتی، کبھی ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ ہوتی تو کبھی کنول نما آنکھوں سے اشک قطرہ قطرہ رخساروں پر بہتے رہتے اس دوران وہ اپنے شغل میں اتنی محو ہوتی کہ اسے کسی کی پروا کوئی ہوش نہ ہوتا تھا۔

بے منظر ایک بار نہیں اتفاقاً کئی بار احد نے دیکھا تھا اور اس کے اندر اذیت ناک کرب بھٹکتا جاتا۔ وہ اپنی ہی آگ میں جھسم ہونے لگتا، عجیب کیفیت تھی اس کی بھی جہاں ایک خوب صورت جذبہ دل کی زمین میں جڑیں پھیلا رہا تھا وہیں بدگمانی و شک کا بیج بھی نمو پا گیا تھا جہاں چھوٹی چھوٹی بے معنی باتوں سے دوسرے طرز کے مطلب اخذ کر کے خوب پنپ رہا تھا۔ بلا کی غلط فہمی و بے اعتباری اس میں سما گئی تھی۔ مسکان جتنی رگ و جاں سے قریب تر لگتی تھی دوسرے پل ہی شک کا زہر اسے اتنا ہی دور کر دیا کرتا تھا۔ عجیب متضاد احساسات و جذبات کا شکار رہنے لگا تھا۔ اسے کھونا زندگی کھونے کے مترادف تھا اور پانا بھی بے سکونی کی علامت بن گیا تھا۔

اس کی یہ گفتگوں ماما سے چھپی نہ رہ سکی تھی اسے بھی فیصلہ سننے کی جلدی تھی سو انہیں وہ اپنی خواہش بتا بیٹھا تھا اور آنا فانا وہ اس کے نام سے منسوب ہو چکی تھی۔ وہ حیران تھا اور کئی دنوں تک اسے یقین پر بھی خواب کا ہی گماں رہا تھا۔ شعوری طور پر کوئی خوف تھا جو اسے پے یقین ہونے سے روکے رکھتا اور اسی شش و پنج میں مسکان نے آ کر اس کی زندگی میں حقیقت کے رنگ بھر دیئے تھے۔ وہ

بہت خوش تھا جسے چاہا اسے پالیا تھا اس سے بڑھ کر خوش نصیبی بھلا کیا ہو سکتی تھی۔

گزری ہر بات ذہن کی سلیٹ سے صاف ہو چکی تھی۔ مسکان کی سنگت میں زندگی اپنے پورے حسن کے ساتھ سامنے آئی تھی اس کی چاہتیں عروج پر تھیں کہ..... کچھ ہفتے بہت خوش گوار اور حسین گزرے تھے کہ ایک روز باتوں کے دوران اچانک اسے احسن یاد آ گیا اور پھر اس کی زبان پر احسن کی ہی باتیں تھیں۔ اس کی شرارتوں کے قصے شوخیوں کی کہانی وہ جو سب کچھ بھلا کر اسے پانے کی خوشی میں گم تھا کہ اس کے اندر کا شک بے دار ہو گیا۔ اس کی بے اعتباری و غیر یقینی پھر وجود پا چکی تھی۔ وہ مرد تھا کس طرح اس کے منہ سے دوسرے مرد کی تعریفیں سن سکتا تھا پہلے پہل اس نے درگزر کرنے کی کوشش کی نظر انداز کیا مگر مسکان کی سادگی تھی یا نا کجی جو وہ مرد کی فطرت کو نہ بھٹکتی تھی کہ اس کی زوجیت میں آنے کے باوجود احسن کے متعلق گفتگو کرتی تھی اور وہ ہر بار یہی انتظار کرتا رہ جاتا کہ وہ بھی تو کبھی اس کی گفتگو کا حصہ بنے، کبھی تو وہ اس کے متعلق بھی اسی طرح پیار سے گفتگو کرے۔ وہ بھی تو احسن کی طرح اس گھر میں رہتا تھا احسن کی طرح اس کا بھی کزن کا رشتہ تھا مگر نہیں۔ شاید کزن کے علاوہ بھی ان کا کوئی رشتہ تھا ایسا انوٹ و حسین رشتہ جو وہ اتنا دور ہونے کے باوجود بھی اس کے اندر موجود رہتا تھا۔ وہ تو کہیں بھی نہیں تھا نہ اس کی سوچوں میں نہ خیالوں میں نہ ہی دل میں وہ اس سے اتنا قریب ہوتے ہوئے بھی اتنا ہی دور تھا۔ یہ خیال اسے ڈسٹرب رکھنے لگا وہ تندہی و غصے کا شکار رہنے لگا۔

ساری محبت و جذبات ٹھنڈے بڑنے لگے تھے۔ احسن سے اسے شدید ترین نفرت ہو چکی تھی۔ شکل دیکھنے کو مسکان کی دل نہ چاہتا تھا لیکن اس کی غیر موجودگی ایک لمحہ گوارا نہ تھی۔ اس کی موجودگی دلی تقویت کا باعث بھی تھی۔ باہر بارش کی ریم جھم جاری تھی وہ دونوں ایک دوسرے سے خفا تھا جاگ رہے تھے اور وہ آنکھیں بند کیے اس کی

سکیناں سن رہا تھا۔ اس کے دلکش چہرے پر پھلتے آنسو دیکھ رہا تھا لیکن دل پر بدگنی کے بادل اتنے گہرے چھائے تھے کہ سچ سچ سو گیا۔

☆☆☆

”درخت دھرتی کا حسن ہیں زمین کا زیور ہیں اور ماحول کو حسن و رعنائی بھی عطا کرتے ہیں لیکن جس سنگ دلی و عاقبت نااندیشی سے اس خزانے کو مفاد پرست ذاتی اغراض کے لیے استعمال کر کے ضائع کر رہے ہیں وہ سنگین خطرات ہی کا باعث نہیں بلکہ ناقابل معافی جرم ہے۔ جس قدر تیزی سے درختوں کی کٹائی ہو رہی ہے اتنی تیزی سے زمین میں پھیلنے والی نت نئی و مہلک بیماریاں بھی عام ہو رہی ہیں۔ جس طرح صدیوں پہلے موجود جانوروں کی تصویروں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کبھی یہ زندہ تھے اور اسی دنیا میں موجود تھے اسی طرح ہم سے بعد آنے والی نسلیں بھی شاید ہماری طرح ہی تصویروں میں اپنے لوگوں کو دکھایا کریں گے کہ عرصہ قبل جنگلات ہوتے تھے اور درخت ہوتے تھے جو بہت حد تک قدرتی آفات سے بچاؤ کا باعث بنتے تھے۔ خوب صورتی و سکون و تازگی بھری ہوا کے علاوہ۔“

”میرا نہیں خیال کہ درختوں کے بغیر زندگی باقی رہ سکتی ہے۔ پھر بھی تم نے یہ بہت اچھی بات بتائی میں کل ہی سے اپنے کالج سے ایک نئی مہم کا آغاز کروں گا ”درخت اگاؤ زندگی بچاؤ“ کے عنوان سے گلی گلی محلہ محلہ سڑک سڑک لوگوں کو پیغام پہنچائیں گے۔“ چھوٹی پھوپھو کے بیٹے میر نے جو خاصا محبت و وطن تھا نے فوراً عزم ظاہر کیا تھا۔

”احسن بھائی! وہاں جنگل میں کیا شیر چیتا ہاتھی وغیرہ بھی ہوتے ہیں؟“ عمیرہ جو بڑے غور سے اس سے وہاں کی باتیں کرتے سن رہی تھی استفسار کر بیٹھی اور احسن کے جواب دینے سے قبل ہی احسن نے زوردار ہتھکڑی لگایا تھا۔

”یہ تمہارے پیٹ میں کیوں مل پڑا؟“ وہ دانستہ شوخی سے بولتا

خاموش ہوا۔

”کیا سوچ رہے ہو فوراً بولو تمہیں بھی کیانی دی والوں کی طرح بریکس کی عادت پڑ گئی ہے۔“ سمیرا منہ بنا کر بولی۔

”عالی جاہ! جان کی امان پاؤں تو عرض کروں؟“ وہ شرارتی نظروں سے احسن کی جانب دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

”امان دی۔“ احسن کا شاہانہ انداز اس کی ہی مرضی کا تھا۔

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ..... کہ..... کہ عمیرہ آپ کو احسن بھائی کہتی ہیں تو کیا آپ کے بچے آپ کو ”ماموں“ پکاریں گے؟“ اپنی بات مکمل کر کے احمد برق رفتاری سے وہاں سے چلا گیا تھا چند لمحوں میں عمیرہ سمیرا منیر ایک دوسرے کی جانب دیکھتے رہے کہ کبھی نہیں تھے جبکہ احسن مسکراہٹ ہونٹوں تلے دبائے مسکراتی نظروں سے عمیرہ کی جانب دیکھ رہا تھا۔ بات اُن کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

”ہر..... کب سے یہ چکر چل رہا ہے چپکے چپکے؟“ سمیرا اور منیر نے ایک دم ہی شور مچا ڈالا تھا۔ عمیرہ نے غصے سے احسن کی جانب دیکھا اور اس کی والہانہ نظروں کے جواب میں پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

”ارے بھئی چکر چلا کہاں ہے۔ ابھی چلانے کی کوشش کر رہا ہوں مگر اس احمد نے سب الٹ کر دیا کم بخت کہیں کا۔ دس روٹیاں ہضم کر سکتا ہے لیکن دو باتیں اس کا ہاضمہ خراب کر ڈالتی ہیں۔ نہ معلوم یہ عورتوں والی خصوصیت کہاں سے آئی ہے اس میں..... عمیرہ عمیرہ میری بات سنو۔“ وہ اُن کو جواب دیتا ہوا عمیرہ کے پیچھے بھاگا تھا اور اُن کے پیچھے وہ دونوں۔

اس دن وہ سب کھانے کے بعد جمع تھے موضوع احسن کی طرف سے دی جانے والی پارٹی تھی جو وہ اُن کی شادی کی خوشی میں دے رہا تھا۔ اس تیز رفتار وقت میں بھی کبھی ہونے والی ایسی ہی پارٹیز میں تمام رشتے داروں کو مل بیٹھنے کا موقع ملا کرتا تھا سو اس پارٹی کے انتظار میں

سب ہی تھے مگر احد کے انکار نے سب کو بددل کر دیا تھا۔

”کیوں انکار کر رہے ہو احد؟ میں نے مکمل تیاریاں کر لی ہیں میں انکار نہیں سنوں گا۔“ احسن نے سنا تو وہ بھاگا چلا آیا۔

”میں آج کل بے حد مصروف ہوں۔ نئی فیکٹری کا کام لاسٹ اسٹیج پر ہے اسی ماہ کے آخر تک اس کی اوپننگ کرنی ہے۔ کام بہت تیزی سے ہو رہا ہے اس مصروفیات کے باعث میں گھر میں بھی بالکل ناگم نہیں رہے پارہا ہوں۔ پھر کوئی پارٹی اینڈ کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ احسن کے انداز میں جس قدر خلوص و اپنائیت تھی احد کا رویہ اس قدر ہی سیاہ و بے تاثر تھا۔

”چند گھنٹے نکال سکتے ہو یا تم میں تمہاری شادی اینڈ نہ کر سکا تھا اب سوچا تھا خوشیاں مناؤں گا لیکن تم.....“

”میں نے کہا نا نا تم نہ دے پاؤں گا سوری۔“ وہ ان سنی کرتا ہوا اپنے روم کی جانب بڑھ گیا اور احسن نے اس انداز میں شانے اُچکائے تھے جیسے اس کا طرز عمل سمجھ سے باہر ہو۔

”بیٹا! تمہارے پاس تو وقت نہیں ہے اور شاید نہ ہی خلوص مروت و لحاظ لیکن ہم ابھی ان جذبوں سے عاری نہیں ہوئے ہیں۔ بڑوں کا ادب چھوٹوں کا لحاظ ہم عمروں سے محبت زندہ ہے اور انہی صفات کی باعث ہماری عزت و اہمیت قائم ہے لیکن تم نے جو یہ وتیرہ اپنایا ہے یہ تمہیں کہیں کا نہیں رکھے گا۔“ وہ آفس جانے کے لیے نکل ہی رہا تھا کہ ممانے سنجیدگی سے کہا تھا۔

”اوہ ماما! کیا ہوا؟ کیا کیا میں نے؟ آپ ناراض ہیں؟“ وہ پریشان سا گویا ہوا۔

”شباباش ہے بھئی تمہاری بے خبری کو..... احسن نے پارٹی میں تمہیں بلانے کے لیے کیا کچھ نہ کیا تم نے اسے اپنے باپ اور چچاؤں کو سب کو انکار کر دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میں اتنی بے مروتی کہاں سے آ گئی؟ پہلے تو تم ایسے نہ تھے۔“

”ماما! سچ مجھے بالکل فرصت نہیں ہے۔“ اس نے

بریف کیسے نیچے رکھ کر ماں کے شانوں پر بازو رکھ کر لاڈ سے کہا تو انہوں نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ لائٹ گرے پینٹ کوٹ میں اس کی شخصیت شان و آبرو رکھ رہی تھی۔ سرخ و سپید و جیہد چہرے پر نرمی مسکراہٹ اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہی تھی۔ بظاہر تو وہ بہت خوش و خرم لگ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں ضرور کوئی ایسی بات تھی جو ان کی متا کو بے چین کر گئی تھی۔ آئی تو وہ اس کی خبر لینے کے ارادے سے تھیں مگر اس وقت ایک عرصے بعد انہوں نے اسے نزدیک سے دیکھا تھا اور ان کے اندر ایک اضطراب پھیل گیا۔ گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا پہلے جیسی شادابی و سکون اس کی ذات سے مٹ گیا ہے۔ عجب مضحک اُداس و دل گرفتہ سا ہو گیا ہے۔ پہلے وہ مسکراتا تو اس کی آنکھیں بھی اس کی مسکراہٹ کا ساتھ دیتی تھیں مگر آج اس کی آنکھیں پُر سوز و نہ کناس تھیں اور مسکراہٹ بھی مصنوعی تھی۔ اسماٹ تو وہ بچپن سے تھا مگر اس وقت کم زور اور لاغر دکھائی دے رہا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے میرے بیٹے تمہیں؟ تم ہم سب سے غافل ہوئے ہوئے تو ہوئے لیکن اس سے بھی لا پرواہ بے نیاز رہنے لگے جس کو بڑے ارمانوں و چاہتوں سے اپنی زندگی کی شریک بنا کر لائے تھے..... کیا تم خوش نہیں ہو؟“ یہی سوال دروازے کے پیچھے کھڑی مسکان کے دل سے بھی ابھر اٹھا۔ وہ خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

”خوشی و غم کا سوال نہیں ہے ماما میرے پاس نا تم نہیں ہے بزنس کی وجہ سے۔“ اس نے ان کے شانوں سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے گول مول جواب دیا۔

”مانتی ہوں زندگی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے کاروبار لازمی ہے پر بیٹے جہاں رشتوں کے تقاضے آتے ہیں وہاں بڑی سے بڑی شے کی بھی اہمیت صفر ہو جاتی ہے۔ رشتے کاروبار پر غالب آ سکتے ہیں کاروبار رشتوں پر نہیں۔ ہر شے کا اپنی جگہ ایک مقام ایک رتبہ ہوتا ہے اور وہی یہاں کامیاب ہوتا ہے جو ہر ایک کے مقام و رتبے کو مقدم رکھتا ہو۔“

”رات کو احسن سب گھر والوں کو پارٹی دے رہا ہے کسی ہوٹل میں ہم بڑوں نے منع کر دیا ہے۔ یہ سب کزنز مل کر جا رہے ہیں تمہاری تینوں پھوپھیوں کے بچے بھی آئیں گے اگر ہو سکے تو کوشش کرنا آنے کی ورنہ میں مسکان کو تو ضرور بھیجوں گی۔“

وہ اُسے مطلع کر کے چلی گئی تھیں۔ یہ دیکھ کر اُس کی پیشانی پر آن گت شکنوں کا جال بنا چلا گیا تھا۔ چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر ملازم کو بریف کیس کار میں رکھنے کا حکم صادر کرتا ہوا پکن کی جانب بڑھ گیا۔ ماما کو وہاں سے جاتے دیکھ کر وہ پکن میں آ گئی تھی۔

”سنو“ وہ کاؤنٹر کے پاس کھڑی برتن سمیٹ رہی تھی کہ وہ سیدھا اُس کے پاس آیا۔

”جی۔“ برسات والے واقعے کے بعد سے اُن دونوں میں برائے نام گفتگو ہوتی تھی۔

”تم کسی پارٹی میں نہیں جاؤ گی اگر گئیں تو اس گھر میں اپنا آخری دن سمجھنا۔“ اس نے ایک ایک لفظ جما جما کر خوشخوار لہجے میں ادا کیے تھے۔ اس کا آخری جملہ اس کا اوسان خطا کر گیا تھا۔ دل اتنی زور سے دھڑکا تھا کہ ہاتھ سے پلیٹ چھوٹ کر فرش پر چکنا چور ہو چکی تھی۔ جبکہ وہ اپنے جملوں کا رد عمل دیکھنے کے لیے رکنا نہیں تھا اور پھر کیسی پارٹی اور کیسی خوشی؟ اُس کی دنیا ہی زلزلوں کے جھٹکوں پر تھی۔ محبت کا تاج محل اُمید کی کرنیں آس کے دیے سب ہی تو اُس نے ایک جھٹکے میں ایک جملے سے توڑ ڈالے تھے۔ احد سے نانا جوڑنے کے بعد اس کا سابقہ آنسوؤں سے ہی تو بڑا تھا۔ بعض اوقات اسے محسوس ہوتا اس کا تعلق احد سے نہیں آنسوؤں سے بندھا ہے۔ پھر آج تو اس نے بہت بڑی بات کہہ دی تھی رورو کر اس کے سر میں درد ہو گیا تھا آنکھیں سوچ گئی تھیں پوئے بھاری ہو گئے تھے۔ عمیرہ اسے تیار ہونے کا کہنے آئی تو اس کی حالت دیکھ کر لائے قدموں بھاگی تھی اور تھوڑی دیر میں پورا کمرہ مچھی سمیت تمام ہمدردوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان

سب سے اس نے سر میں درد ہونے کا بہانہ کیا۔ اول ان سب میں مثالی محبت تھی۔ دوئم اس وقت سوال پارٹی کا تھا جو اس کے بغیر منانے کا سوال ہی نہ تھا سو ہر قسم کی ترکیبیں دیکھ کر اس پر آزمائے جانے لگے۔

کوئی نیم گرم تیل کی مالش میں جتا تھا تو کوئی سر دبانے میں کوئی کسی لیے اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا وہ جانے سے انکار کر رہی تھی۔ مسلسل نہ اس کے ہونٹوں پر تھی۔ وہ سب اس کی اندرونی حالت سے بے خبر اس کے انکار کو کوئی اہمیت دینے کو تیار نہ تھے۔ خوف پریشانی و فکر سے اس کی بری حالت تھی۔ وہ کس طرح انہیں بتاتی کہ وہ کس دھمکی کے خوف میں جکڑی ہوئی ہے بس ہے۔

”بہو! چلی جاؤ گھر سے باہر نکلو گی تو خود بخود ہی طبیعت بہتر ہوگی درد بھاگ جائے گا گھر میں قید ہو کر رہ گئی ہو۔“ ماما کے کہنے پر تمام کزنز نے ساتھ خوشی سے ہرے کانفرہ مارا تھا۔

”لیکن ماما! وہ احد وہ.....“ وہ مشکل میں تھی کہ کس طرح بتائے۔

”رہنے دو اس کی پروا مت کرو جاؤ تم۔“ ان کا انداز ایسا جارحانہ تھا کہ مزید وہ کچھ کہتی تو کوئی بعید نہ تھا کہ وہ ناراض ہو جائیں۔ وہ کشمکش کا شکار تھی کس طرح انہیں ان کے بیٹے کا فرمان سنائے۔ اگر بالفرض سنا بھی دے تو وہ اس پابندی کا جواز مانگیں گی جو وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ اسی وقت احسن تیار ہو کر آ گیا تھا جب اس نے سنا تو ایک جمپ میں بیڈ پر پہنچا تھا اور دوسری جمپ اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ سے نیچے لگائی تھی اور ہمیشہ کی طرح وہ اس کے آگے بڑھ گئی تھی۔

پارٹی حسب توقع بہترین رہی تھی سب نے علاوہ اس کے خوب انجوائے کیا تھا۔ وہ ان کے درمیان زبردستی ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے بیٹھی تھی اور اسے جس بات نے مسرت بھری حیرت میں مبتلا کیا تھا وہ عمیرہ اور احسن کی بے تکلفی تھی اس کی جھکی نگاہیں شرمیلی مسکراہٹ اور چہرے پر پھیلے قوس و قزح کے دلکش رنگ گواہ تھے کہ وہ

احسن کے جذبات کی گہرائی میں اتر چکی تھی اور کزنز کی چھیڑ چھاڑ بتا رہی تھی کہ بات چھیڑ نہیں رہی ہے۔

”حیرت ہو رہی ہے نا کہ کس طرح سب کو معلوم ہوا؟“ اُس کریم کھاتا ہوا احسن اس کی نگاہوں کے سوال کو پڑھ گیا تھا۔

”ہاں اور از حد مسرت بھی۔“ اس کے لہجے میں خلوص تھا۔ عمیرہ اس کے بازو سے لگ گئی تھی۔ شرمنا کر اس نے مسکرا کر اس کے بالوں پر بوسہ دیا تھا۔

”جو بات کسی کو پھیلائی ہو وہ بات احمد کو یہ کہہ کر بتا دو کہ بھی کسی کو بتانا مت۔ اور آپ بے فکر ہو جائیں۔“

دوسرے دن آپ سو کر انہیں گے تو گھر والوں کے علاوہ پورے محلے دار رشتے داروں کے ساتھ ساتھ گلی میں آنے والے سبزی فروش دودھ فروش بلکہ جھاڑو لگانے والے جھدار تک اس بات سے واقف ہو چکے ہوں گے اور سب ایک دوسرے سے یہی کہیں گے ”کسی کو بتانا مت“

احسن نے احمد کی نقل اتارتے ہوئے کہا تو احمد بھی خاصی ڈھٹائی سے ان سب کے ساتھ ہنس پڑا تھا۔

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ کمرے میں قدم رکھا تھا۔ کمرہ خالی تھا ہاتھ روم سے پانی گرنے کی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ ہاتھ روم میں ہے۔

وہ خوف سے دھڑکتے دل کے ساتھ ڈرینگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ ناکی پہن کر باہر آئی تو وہ ٹائٹ سوٹ میں لمبوس راکنگ چیئر پر بیٹھا جھول رہا تھا۔ باہر نکلتے ہی اس کی سہمی ہوئی نظریں اس کی نظروں سے ٹکرانی تھیں۔ وہ اسی طرف دیکھ رہا تھا اپنی سرخ سرخ انگارہ آنکھوں سے ایک ٹک بنا پلکیں جھکائے وہ تھرا گئی۔

ایک منٹ دو منٹ تین منٹ پورے دس منٹ گزر گئے وہ اسے اسی طرح بنا پلک جھپکائے گھور رہا تھا۔ گھبراہٹ خوف بدحواسی اس پر سوار تھی اسے ڈر لگ رہا تھا دل بے قابو تھا۔ ہاتھ پاؤں کاٹنے لگے تھے بلکہ پورا جسم کانپ رہا تھا۔

”کیا بات ہے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟“ اس نے

ہمت کر کے پوچھا۔

”میں نے منع کیا تھا نا جانے کو پھر کس کی اجازت سے گئی تھیں؟“

”میں..... نہیں جا رہی تھی مگر ماما کے اصرار پر جانا پڑا اور احسن بھی.....“

”احسن..... احسن..... احسن۔ نفرت ہو گئی ہے مجھے اس نام سے۔“ وہ ایک دم ہی چیخا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ انداز اتنا غضب ناک تھا کہ وہ بوکھلا کر دیوار سے لگ گئی تھی۔

”اتنا ہی عزیز ہے وہ کہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتیں تو کیوں مجھے اُلو بنایا؟ کیوں اسے دل میں چھپا کر مجھ سے شادی کی؟ اس کی محبت میں اتنی ڈوب چکی ہو کہ میں تو کہیں تمہیں نظر بھی نہیں آتا۔ تمہارے خیالوں خوابوں سوچوں میں میرا تو کہیں گزر ہی نہیں ہے۔ سب جگہ اس کا قبضہ ہے بلکہ تم پر مکمل وہی چھایا ہوا.....“

”احد..... احد! اسٹاپ! بکواس بند کریں اپنی۔“ وہ کس انداز سے کس لہجے میں اس کے اور احسن کے پاکیزہ تعلقات کا موازنہ کر رہا تھا کہ اسے خود سے گھن آنے لگی وہ تڑپ کر گویا ہوئی تھی۔

”بکواس! اب تمہیں میری باتیں بکواس ہی لگیں گی نادانی و خود فراموشی کے بھنور سے تو میں آج نکلا ہوں۔ نہ

جانے مجھے کیا ہو گیا تھا جو سب جاننے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود تمہاری تمنا کر بیٹھا کیا مجھے معلوم نہ تھا کہ تم اور احسن ایک دوسرے کو کتنا چاہتے ہو کتنا پسند کرتے ہو ایک دوسرے کے بنا رہ نہیں سکتے تھے وہ

تمہارے اشاروں پر ناچتا تھا تم اس کے کہنے پر چلتی تھیں۔ اس سے ملنے پر کتنی خوش ہوتی ہو کتنی مجھے دیکھ کر ایسی مسکراہٹ تمہارے چہرے کو روشن نہیں کرتی کتنی

میرے ساتھ باہر جانے کی خواہش نہیں کی آج اس کے ایک اشارے پر میری بات رو کر کے چلی گئیں۔ بس.....

بس بہت ہو چکا مزید بے حیائی میری غیرت گوارہ نہیں کر سکتی۔ میں قریب رہ کر بھی تمہاری قربت کو ترسوں اور وہ

مڑے سے میرے حقوق غضب کرتا جائے۔“
”احد! آپ ہوش میں تو ہیں آپ کو معلوم ہے کیا کہہ رہے ہیں؟“

”ہاں ہاں ہوش میں اب آیا ہوں لیکن کسی سے زیادہ میں اپنے دل سے مجبور ہوں کہ چاہنے کے باوجود تمہیں خود سے جدا نہیں کر سکتا اور تمہیں آخری وارننگ دے رہا ہوں باز آ جاؤ اپنی حرکتوں سے شریف عورتوں کی طرح زندگی گزارنا سیکھو اب میری بیوی ہو اور میری بن کر رہو۔ بھول جاؤ کہ پہلے کسی کی محبوبہ تھیں۔“ خاموش رہنے والی زبان زخم پر زخم لگا رہی تھی وہ ششدر کھڑی اسے دیکھ رہی تھی اس کے وجود سے جیسے کسی نے روح کھینچ ڈالی تھی۔ احد کے لبوں سے نکلا غلط فہمی و بد اعتمادی کا زہر اس کی سماعتوں سے اتر کر شریانوں میں پھیلنے لگا۔ اذیت سے اس کا روم روم جلنے لگا۔ احد کے لفظ نہیں خار تھے جو اس کی روح تک میں پیوست ہو گئے تھے۔ اس کا سرخ چہرہ لہو رنگ آنکھیں اس کی حالت اس وقت کچھ ایسی ہی ہو رہی تھی کہ مارے سہم کہ کچھ نہ بول پائی۔ اپنی صفائی میں ایک لفظ منہ سے نہ نکل سکا تھا۔

وہ جاہ رہی تھی کہ اس سے کہے وہ جو سوچ رہا ہے سمجھ رہا ہے بالکل غلط ہے بے بنیاد ہے۔ وہ اور احسن تو صرف دوست ہیں اگر ایسی بات ہوئی تو وہ کبھی بھی اس کا پروپوزل قبول نہ کرتی اس سے اتنی شدید محبت نہ کرتی کہ اس کی تمام جفاؤں کے باوجود ابھی بھی صرف اور صرف اس کی بن کر رہنا چاہتی تھی وہی تو اس کی زندگی میں آنے والا پہلا اور آخری مرد تھا لیکن اسے کس طرح کہتی وہ جس حالت میں تھا کہاں اس کی وفاؤں پر اعتبار کرتا۔ وہ اس پر یقین رکھتا ہی نہیں تھا ورنہ اس طرح اس کے کردار کی وجہیں نہ بکھیرتا۔ وہ ان لمحوں میں خود کو بری طرح گھائل محسوس کر رہی تھی۔

جس شخص کو اس نے روح کی گہرائیوں سے چاہا تھا وہی بے اعتبار نکلا تھا اس کے رویوں جذبول اور محسوسات کو جان نہ پایا تھا۔ خود نہ جانے اس بد اعتمادی کی

آگ میں کب سے جل رہا تھا اور اسے میں الاؤ بھی گرا چکا تھا اس کی اذیت انتہاؤں کو چھونے لگی۔ رگ رگ چننے لگی۔ اندر ٹھٹھ بڑھنے لگی تو آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے بہنے لگی۔ وہ بیڈ پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ”مت بہاؤ یہ مصنوعی آنسو مجھ پر ان کا اثر ہونے والا نہیں ہے اور کان کھول کر سن لو آج کے بعد اس سے ملنا تو دور کبھی نام بھی لیا تو اپنا انجام سوچ لینا۔“ وہ غصے میں کہہ کر رکائیں تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

دوسرے دن وہ آفس سے آیا تھا کہ لان میں کھنے درختوں کی آڑ میں اسے گلابی آچل لہراتا ہوا نظر آیا۔ پہلے تو وہ ٹھٹھ کر رک گیا پھر ایک دم ہی کوئی خیال بھی نہ ماند کو نہ تھا۔ وہ دبے قدموں سے اس جانب بڑھ گیا تھا اور اس کے خیال کی تصدیق ہو گئی تھی وہاں احسن اور مسکان ہی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

وہ اس کے منہ کرنے کے باوجود اسے ملے بغیر رہ نہ سکی تھی اور اس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر اپنی خواہشوں کو سیراب کرنے چلی آئی تھی۔ وہ خود سے خفا ہو گیا ناحق اس ہرجائی بے وفا کی خاطر کل رات سے اب تک فکر مند و غم زدہ تھا کہ جذبات میں نہ معلوم کیا کیا اسے کہہ گیا تھا جب اترا تو ندامت محسوس ہونے لگی تھی اور اس وقت وہ آفس سے جلد لوٹ آیا تھا کہ اسے منکر قرار حاصل ہوگا ورنہ وہ بھی بے سکون رہے گا۔

یہاں سب دیکھ کر اسے اپنی شرمندگی پر ندامت ہونے لگی تھی اپنا ایک ایک لفظ بالکل مناسب لگا تھا۔ وہ اسی قابل تھی بلکہ اس سے کہیں زیادہ کی حق دار۔ وہ ایک جنوں میں آگے بڑھا تھا کہ نسوانی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے ساعتوں میں دھماکے ہونے لگے تھے۔

”میں اور تم بھی آج کل احد بھائی اور بھائی میں کافی کھنچاؤ محسوس کر رہے ہیں اور بتانے سے نہ بھا بھی بتانی ہیں اور نہ بھائی آج تو بھائی ناشتہ کیے بنا ہی گھر سے چلے گئے ہیں اور تم بھی نے ماما کے اصرار پر صرف ایک کپ چائے پی ہے بخار الگ بہت ہو رہا ہے ان کو۔“ یہ آواز

عمیرہ کی تھی اس کی بہن کی جس کو وہ مسکان سمجھ رہا تھا۔

میں بھی اسے بہت بدلا بدلا محسوس کر رہا ہوں۔ پہلے ہر وقت میری پرچھائیں بنی رہتی تھی مگر اب دیکھ رہا ہوں وہ میری پرچھائی سے بھی گریزاں ہے۔ مجھے دور سے دیکھ کر ہی راستہ بدل لیتی ہے وہ مجھے بے حد عزیز ہے اس سے میرے ایک نہیں کئی رشتے ہیں۔ کزن، بہن اور سب سے بڑا رشتہ دوستی کا ہے جو سب رشتوں سے بڑا اور خوب صورت ہے اور تمہیں معلوم ہے مجھے تمہاری جانب راغب بھی اسی نے کیا ہے اور میں جانتا ہوں اس کی پسند اعلیٰ ہوتی ہے۔ معاملہ تھا احد کو راضی کرنے کا تو آج کل میں اس سلسلے میں اس کی جان کھارہا تھا کہ وہ کسی طرح سے بھی اپنے شوہر نام دار کو راضی کرے اور ابھی یہ معاملہ سلجھا بھی نہیں تھا کہ اس نے مجھ سے کنارہ کشی اختیار کر لی احد کی تو نیچر ہی سب سے الگ تھلک اپنی دنیا میں مگن رہنے کی ہے۔ مگر وہ ایسی کیوں ہو گئی؟ سب سے بڑا مسئلہ ہے میری بات کون کرے گا۔ میں جانے سے پہلے چاہتا ہوں تمہیں اپنے نام منسوب کر جاؤں۔“ احسن کے لہجے میں صداقت تھی مسکان کے لیے فکر مند لہجہ ایسا ہی تھا جیسے اس کا عمیرہ کے لیے ہوتا تھا۔ اس کا لہجہ سدا سے ایسا تھا شاید اس کے دل سے شک و بدظنی کی بی اتری تو اس نے محسوس کیا تھا۔ یکلخت ہی سکون اس کی رگوں میں سرایت کرنے لگا کوئی بار گریاں تھا جس سے وہ خود کو آزاد محسوس کر رہا تھا گہری دھندھی جو چھٹ گئی تھی بدگمانیوں کے سیاہی ادل چھٹ گئے دل کا افق شفاف تھا فضا نکھری نکھری تھی۔ ایک عرصے تک وہ شدید غلط فہمی کے گرداب میں رہا تھا جس میں پھنس کر ان خوب صورت دنوں کے بے شمار پل وہ ضائع کر چکا تھا جن کا احساس اسے اب ہوا تھا۔ اسے رلایا تھا تو تڑپا خود بھی کم نہیں تھا۔ جتنے دکھا اسے دیئے تھے اتنا درد خود بھی لیا تھا اس کی آنکھوں سے آنسو برستے تھے تو دل اس کا بھی خون کے آنسو روتا تھا۔ ایک ایک کر کے اپنی تمام بے وفائیاں یاد آنے لگیں تو شرمندگی کے ساتھ ساتھ اپنے پاگل پن پر ہنسی بھی آئی کہ محبت کا

جذبہ ہوتا ہی ایسا انتہا پسند و خود سر ہے کہ جب قلب کو مسخر کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی دماغ کو بھی فارغ کر ڈالتا ہے پھر کچھ بوجھ روٹھ جاتی ہے اور محبت کی نذر ہو جاتی ہے۔ کیسا جذبہ ہے محبت جو اچھے بھلے بے ریا و سیدھے انسان کو شکی و حاسد و کٹھور بنا ڈالتی ہے جس چہرے پر اس کی نظر ٹھہر جائے جسے یہ اپنا مان لے پھر کسی اور کی نگاہ اس چہرے پر برداشت نہیں کر سکتی ہر سمت صرف اپنا حصار چاہتی ہے۔

”اب کیا ہوگا میرا؟ جن چٹوں پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔ کتنے مان سے مسکان کو اپنا سمجھا تھا وہ بھی ظالم بن گئی لٹ ہی نہیں دیتی۔ کروں تو کیا کروں تم ہی مشورہ دو۔“ وہ بالوں میں انگلیاں چلاتا بسور تھا۔

”مجھے کیا معلوم؟ میں ایک مشرقی لڑکی ہوں میرے بڑے جو فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہوگا۔“ عمیرہ شانے اچکانی ہوئی کھڑی ہو گئی تھی۔

”یہ مشرقی لڑکیاں بھی بڑی چالاک ہوتی ہیں۔ محبت کر کے فیصلے اپنے بڑوں پر چھوڑ دیتی ہیں اور نام جیسے لوگ دعا کرتے رہ جاتے ہیں کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہو۔“ احسن ڈھائی دینے والے اسٹائل میں بول رہا تھا۔ عمیرہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ احد کا دل اس کی جانب سے صاف ہو چکا تھا وہ مسکراتا ہوا ڈرامائی انداز میں بولا۔

”تمہاری دعا قبول ہوئی فیصلہ تمہارے حق میں ہو گیا ہے۔ اب شریف نوجوان بلکہ طلب گار بن کر اپنے والدین کو ہمارے گھر بھیجو تاکہ باضابطہ کارروائی کی جائے۔“ اچانک اسے سامنے دیکھ کر عمیرہ ششپائی گئی جبکہ احسن کی زبان رک گئی تھی زندگی میں پہلی بار وہ جھینسا تھا۔

”اب مجھے محسوس ہوا جن کی زبان مسلسل چلتی ہے ان کے دماغ بالکل خالی ہوتے ہیں۔ تم اگر پہلے ہی بتاتے تو اتنی تکلیف ہمیں اٹھانی نہیں پڑتی۔“

”میں نے سوچا تھا آپ عشق میں بہت پہنچے ہوئے ہیں یقیناً میرا حال جان جائیں گے مگر کچھ دیر سے آپ کو کشف ہوا لیکن وہ کہتے ہیں نادیر یا درست آید۔“ اس

جذبہ ہوتا ہی ایسا انتہا پسند و خود سر ہے کہ جب قلب کو مسخر کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی دماغ کو بھی فارغ کر ڈالتا ہے پھر کچھ بوجھ روٹھ جاتی ہے اور محبت کی نذر ہو جاتی ہے۔ کیسا جذبہ ہے محبت جو اچھے بھلے بے ریا و سیدھے انسان کو شکی و حاسد و کٹھور بنا ڈالتی ہے جس چہرے پر اس کی نظر ٹھہر جائے جسے یہ اپنا مان لے پھر کسی اور کی نگاہ اس چہرے پر برداشت نہیں کر سکتی ہر سمت صرف اپنا حصار چاہتی ہے۔

”اب کیا ہوگا میرا؟ جن چٹوں پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔ کتنے مان سے مسکان کو اپنا سمجھا تھا وہ بھی ظالم بن گئی لٹ ہی نہیں دیتی۔ کروں تو کیا کروں تم ہی مشورہ دو۔“ وہ بالوں میں انگلیاں چلاتا بسور تھا۔

”مجھے کیا معلوم؟ میں ایک مشرقی لڑکی ہوں میرے بڑے جو فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہوگا۔“ عمیرہ شانے اچکانی ہوئی کھڑی ہو گئی تھی۔

”یہ مشرقی لڑکیاں بھی بڑی چالاک ہوتی ہیں۔ محبت کر کے فیصلے اپنے بڑوں پر چھوڑ دیتی ہیں اور نام جیسے لوگ دعا کرتے رہ جاتے ہیں کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہو۔“ احسن ڈھائی دینے والے اسٹائل میں بول رہا تھا۔ عمیرہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ احد کا دل اس کی جانب سے صاف ہو چکا تھا وہ مسکراتا ہوا ڈرامائی انداز میں بولا۔

”تمہاری دعا قبول ہوئی فیصلہ تمہارے حق میں ہو گیا ہے۔ اب شریف نوجوان بلکہ طلب گار بن کر اپنے والدین کو ہمارے گھر بھیجو تاکہ باضابطہ کارروائی کی جائے۔“ اچانک اسے سامنے دیکھ کر عمیرہ ششپائی گئی جبکہ احسن کی زبان رک گئی تھی زندگی میں پہلی بار وہ جھینسا تھا۔

”اب مجھے محسوس ہوا جن کی زبان مسلسل چلتی ہے ان کے دماغ بالکل خالی ہوتے ہیں۔ تم اگر پہلے ہی بتاتے تو اتنی تکلیف ہمیں اٹھانی نہیں پڑتی۔“

”میں نے سوچا تھا آپ عشق میں بہت پہنچے ہوئے ہیں یقیناً میرا حال جان جائیں گے مگر کچھ دیر سے آپ کو کشف ہوا لیکن وہ کہتے ہیں نادیر یا درست آید۔“ اس

کے قبضے میں احمد کا جاندار قبضہ بھی شامل تھا، عمیرہ پہلے ہی وہاں سے چلی گئی تھی۔ وہ کمرے میں آیا تو وہ بال سنبھا رہی تھی، بیٹھی ہوئی۔

”طبیعت کیسی ہے؟“ دل سے غبار صاف ہوا تو لہجہ خود بخود محبتوں سے لبریز ہو گیا۔

”مجھے کیا ہوا؟“ اس کا دھیمہ انداز روٹھا روٹھا تھا، وہ محسوس کر کے مسکرا دیا۔

”عمیرہ بتا رہی تھی ٹیپر پچر ہو رہا ہے۔“ وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے ہاتھ پکڑ کر گویا ہوا۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی بھرپور سعی کی لیکن ناکام رہی تھی۔

”ہاتھ چھوڑیں۔“

”چھوڑنے کے لیے نہیں پکڑا تھا۔“

”اب آپ کی ایسی باتیں مجھے بہلا نہیں سکتی، آپ کے دل میں جو ہے میں جان چکی ہوں۔ آپ کے گمراہ خیالات و بے ہودہ سوچوں نے مجھے میری نظروں سے ہی گمراہ کر دیا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ کی نظروں میں میری یہ عزت ہے اور..... اور احسن کو آپ ایسا سمجھتے ہیں۔ بہت پست خیالات ہیں آپ کے جنہوں نے مجھے عورت سے گالی بنا دیا ہے۔“ بہت ضبط کے باوجود آنسوؤں پر اختیار نہ رہا تھا۔

”ایسا نہ کہو مجھے احساس ہے آج سے قبل میں اندھیروں کا باسی تھا۔ بہت دکھ دیئے ہیں تمہیں اور خوشیاں خود پر بھی حرام کر لیں۔“ احمد نے اسے ہانہوں کے حصار میں لیتے ہوئے ندامت بھرے لہجے میں کہا۔

”یہ میری محبتوں و چاہتوں کی شدتیں ہی تو ہیں جنہوں نے مجھ جیسے انسان کو بھی احمق و کم ظرف بنا ڈالا نہ معلوم اس میں میری اندھی محبت کا قصور ہے یا معاشرے میں پھیلے کثافت بھرے ماحول کا جہاں اعلیٰ اخلاقی رشتوں کا تشخص بالکل دب کر رہ گیا ہے۔ جہاں لڑکے اور لڑکی کی دوستی کو محض تھڑکلاں رومانس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بہن بیٹی کی معتبر و پر تقدس محبت کا احساس مٹ گیا ہے یہ جذبے صرف سکے رشتوں میں پنہاں ہو گئے ہیں رہا تھا۔

اور یہی غلطی مجھ سے ہوئی تمہاری اور احسن کی اندر اسٹینڈنگ کو میں کچھ اور ہی سمجھتا رہا اور ایک عذاب میں خود بھی مبتلا رہا اور تمہیں بھی رکھا۔ واقعی شک و بد اعتمادی وہ قہقہے جے جو رشتوں کو دھجی دھجی کاٹ دیتی ہے جو کبھی جڑ نہیں کٹتے، شکر ہے میں نے آج احسن اور عمیرہ کی باتیں سن لیں اور مجھے اپنی غلط فہمیوں کا احساس ہو گیا۔“

”کیا آپ نے انہیں میرا مطلب ہے آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے ان کی شادی پر؟“ وہ اس کی بات سن کر ایک دم ہر جوش لہجے میں گویا ہوئی۔

”ایک شرط پر۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سنجیدگی سے گویا ہوا۔

”شرط..... وہ کیا؟“ وہ پریشان لہجے میں گویا ہوئی۔

”تم اگر میری تمام یادانیوں کو معاف کر دو تو۔“ اس کے لہجے میں سچی ندامت تھی۔

”بھلا میری اوقات ہی کیا ہے اور عورت کی وہی ہوئی ہی کیا ہے مرد کی نگاہوں میں جب دل چاہا شک و بے اعتباری کی چھری سے گھائل کرتے رہے زخم پر زخم لگاتے رہے اور دل میں سیائی تو سب کچھ ستم توڑ کر مظلوم بن گئے۔ اس بات سے قطعی بے پروا کہ عورت ہر ظلم ہر ستم ہر زیادتی برداشت کر لیتی ہے مگر اپنی ذات پر بدچلتی کا الزام کسی صورت برداشت نہیں کر سکتی اور مرد کے دل میں اگر ایک بار شک و بے اعتمادی کا پودا اگ جائے تو اس کی جڑیں تاحیات جھی رہتی ہیں۔ پھر ابھی تو میں اس سے چھٹی، بچتی پھر رہی ہوں لیکن جب اس سے اتنا قریبی رشتہ عمیرہ کی وجہ سے بندھ جائے گا تو میں کس طرح چھپ سکوں گی؟ پھر احسن کی عادات، مزاج، شوخیاں، شرارتیں نہیں بدل سکتیں اور آپ پھر.....“

”جو دوسروں کو دکھ دیتے ہیں سکون سے وہ خود بھی نہیں رہ پاتے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا..... سوری یار! ریکی سوری میں..... نام ہوں لفظوں میں اظہار نہیں ہو سکتا جو کچھ بھی ہوا سب بھول جاؤ۔“ وہ جھجکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”ہاں ہاں بھول جانا سب اتنا آسان ہی تو ہے نا؟“

میرے جذبوں کی یہ قدر کی ہے آپ نے محبتوں کا یہ صلہ دیا ہے؟ یہ میری ہی کم عقلی و بے وقوفی تھی جو سائپرس جانے کے بجائے اس خوش فہمی و خوش گمانی میں مبتلا آپ کی زندگی میں چلی آئی کہ آپ مجھ سے بے انتہا پیار کرتے ہیں جو جھٹ پٹ شادی کرنے کو بے قرار ہو گئے ہیں۔ لیکن نہیں وہ نری میری بے وقوفی تھی۔ آپ کو میری کیا ضرورت، کیا پروا، ایک چھوڑ لاکھوں مل جائیں گی لڑکیوں کی تو دیے بھی بہتات ہے۔“ وہ روٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”تو جو نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے یہ مانا کہ محفل جواں ہے حسین ہے.....“

اس نے گنگلاتے ہوئے اسے خود سے قریب کیا پھر شوخی سے گویا ہوا۔

”میرے جذبوں کی شدتوں نے تمہیں سائپرس جانے سے روکا تھا۔ میری محبت کی طاقت تمہیں باور کرا دے گی کہ میری پہلی و آخری آرزو صرف تم ہو چلاؤ آؤ آج سے قبل جو ہمارے درمیان فاصلے آئے انہیں بھول جاؤ۔“ اس نے بہت چاہت سے اس کے آنسو سینے تھے۔

”صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آئے تو مسکرا کر اس کا استقبال کرنا چاہئے۔“

”اگر میری جگہ آپ ہوتے اور میرا رویا آپ کی طرح ہوتا تو بعد میں آپ کا رویہ کیا ہوتا؟ کیا آپ مجھے اتنی آسانی سے معاف کر دیتے؟“ پورے دو ماہ اس کے ہاتھوں اذیت اٹھائی تھی بھلا کس طرح اتنی آسانی سے دوستی کر لیتی۔

”اب محض تم وقت ضائع کر رہی ہو لیکن پھر بھی آج کے بعد ہمارے درمیان یہ ٹاپک نہیں آئے گا۔ اس لیے میں تمہاری تسلی کے لیے بتا دیتا ہوں کہ حقیقت حقیقت ہوئی ہے۔ سچ بھی چھپ نہیں سکتا اپنا آپ منوا کر رہتا ہے۔ تمام حقیقت میرے سامنے آتی تو یقیناً میں کھلے دل

سے تمہیں معاف کر دیتا کہ غلطی ہر ایک سے ہوتی ہے اور بہت فراخ دل و روشن ضمیر ہوتے ہیں وہ لوگ جو اپنی غلطی کی معافی مانگ لیتے ہیں اور دوسرا فریق اس سے بھی زیادہ بلند خیال کا ثبوت دیتا ہے معاف کر کے۔“ وہ از حد سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”اوکے میں اس بار آپ کو معاف کر رہی ہوں لیکن یاد رکھیں آئندہ آپ نے ایسی کوئی بات کی تو آپ کی اور اپنی جان ایک کر دوں گی۔“ اس کا لہجہ اٹل تھا۔

”اوکے مائی لارڈ! بندہ اب کبھی خیال و خواب میں بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ اب ہم صرف محبت کی فصل اگائیں گے چاہت کاشت کریں گے اعتماد کے بیج بوئیں گے وفا کے پھول کھلائیں گے خلوص کی کھاد سے۔“ احمد نے اسے بازوؤں میں لیتے ہوئے سرشار لہجے میں کہا اور اسی دم دروازہ زور سے ٹاک ہوا تھا وہ بھلا کر اس کے بازوؤں سے لگی تھی۔

”میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟“ احمد نے اندر آتے ہوئے کہا۔

”مجھے لگتا ہے آپ پیدا ہی ڈسٹرب کرنے کے لیے ہوئے ہیں۔ بہر حال بتائیے کیا خبر ہے تازہ ترین جس کے باعث آپ کے پیٹ میں مردہ اٹھی ہے۔“ احمد شوخی سے مخاطب ہوا۔

”میں یہ بتانے آیا تھا۔ امی ابو احسن بھائی کا پرویزل عمیرہ کے لیے لانے والے ہیں۔ میں نے سوچا سب سے پہلے یہ خبر آپ تک میں ہی پہنچاؤں لیکن ایک ریکویسٹ ہے آپ سے کہ.....“

”یہ بات ابھی کسی کو بتائیے گا مت۔“ مسکان نے جلدی سے اس کا جملہ پورا کیا اور تینوں کا مشترکہ قبضہ کمرے میں گونج اٹھا۔

